تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپے

فی کاپی (۲۵)

Phone 22918

Regd No L 1081

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بھی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ملک عرب میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/۰، حصہ دوم ۷۵/۰، حصہ سوم ۷۵/۱

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱۲/

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام و مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت

مختارات (۲ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنیکے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت متونا تھ بھنجن یو۔پی

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا

جلد ۱۲
نمبر ۲۱

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سالانہ
۵/ روپے
فی پرچہ
۲۵ نئے پیسے

۱۰ ستمبر ۱۹۶۴ء مطابق ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ

مسلمانوں کا اتحاد پورے ملک کیلئے مفید اور باعث خیر و برکت ہے

انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات کے ذریعہ اس کام کا آغاز کرنا چاہیئے

محمد الحسنی

مسلمانوں کا کردار، ان کا مزاج اور خمیر اور ان کا طرز زندگی دوسری قوموں سے ہمیشہ مختلف اور منفرد رہا، انسانی برادری کا دائرہ ہو یا ہم وطنی و ہم سائیگی کی پوزیشن ہر جگہ اور ہر موقع پر وہ تعصب و نفرت، بے انصافی و جارحیت اور قومی و نسلی غرور سے پاک رہے، دور جانے کی ضرورت نہیں، خود ہمارا ملک ہندوستان اس کی ایک زندہ جاوید مثال ہے، جہاں انتہائی قوت و اقتدار اور اتحاد و یک جہتی کے دور میں بھی وہ ظلم و نا انصافی، نفرت اور قومی تکبر کے خطرناک اور گندے احساسات سے محفوظ رہے۔ اور کسی موقع سے انھوں نے غلط فائدہ اٹھانے یا اپنے اتحاد و قوت کے بیجا استعمال کی کوشش نہیں کی، ہندوستان کے ۴۵ کروڑ ہندو جن کی نمائندگی کا دعویٰ ضری گرد گو والکر کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی حق پرستی، انسانیت دوستی اور تعمیری ذہن کا ایک ایسا روشن ثبوت ہے جس کو جھٹلانا دراصل خود اپنے آپ کو جھٹلانا ہوگا۔

پرتاپ، ملاپ اور آرگنائزر (ہندو مہاسبھا کا انگریزی ترجمان) کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ اس لحاظ سے بالکل طفلانہ اور احمقانہ ہے، ان کو سوچنا چاہیئے کہ جب "نشۂ قوت" میں اور اپنے اتحاد و ترقی کے عروج میں مسلمانوں نے کسی جارحیت کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ انتہائی وسعت قلبی اور عالی ظرفی کا ثبوت دیا تو وہ آج ان حالات میں اپنے اس اتحاد کو جارحانہ بنیادوں پر قائم کرنا کیوں پسند کرنے لگیں گے، یہ تصور دراصل اسلام کے مزاج اور مسلمانوں کی سیرت و کردار سے ناواقفیت کی دلیل اور خود اپنے دل کا چور ہے، ان فرقہ پرست جماعتوں کو اس اتحاد میں جس کا مظاہرہ لکھنؤ کے مسلم مشاورتی اجتماع میں ہوا دراصل خود اپنی تصویر نظر آئی ہے اور وہ اس اتحاد کو اپنی "خفیہ تنظیموں اور سازشوں" پر قیاس کر رہی ہیں یا اپنی بدنیتی اور شرارت کی وجہ سے اس اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بننا چاہتی ہیں

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کا موقف اس سلسلہ میں بالکل صاف اور واضح ہونا چاہیئے۔

ان کو چاہیئے کہ ایک طرف اپنے اس تاریخی اور تعمیری ذہن کو برقرار رکھیں جو ان کا شعار اور امتیاز رہا ہے، دوسری طرف ان شرارت پسندانہ آوازوں کی پرواہ کئے بغیر اس عظیم مہم کو سر کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور جرأت، سرعت، اور بصیرت کے ساتھ بلا خوف و خطر، اس راستہ پر چل پڑیں۔

ان کو اور ان کے تمام سربراہوں اور رہنماؤں کو اچھی طرح یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ یہ ایک بہت بڑا کام ہے اور اس کو انجام دینے کے لئے تمام صلاحیتوں کو استعمال کرنے اور تمام قوتوں کو متحد اور (MOBILIZE) کرنے کی ضرورت ہوگی، اس کے لئے پہلے ایک باقاعدہ اور سوچا سمجھا منصوبہ تیار کرنا ہوگا، پھر اس کے مطابق کام کرنا ہوگا۔

گذشتہ شمارہ میں عرض کیا گیا تھا کہ مسلمانوں سے عملی رابطہ اور عملی اتحاد کے بغیر جو عمومی اور ملک گیر پیمانہ پر ہو کوئی کوشش زیادہ کارگر، دیرپا، اور دور رس ثابت نہ ہوگی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کیا راستہ اختیار کیا جائے، اور کس طرح کام کا آغاز کیا جائے۔

فسادات کی نوعیت ان سے لمحہ بہ لمحہ واقفیت کی ضرورت، ان کا بروقت انسداد، مسلمانوں کے ساتھ ریاستی پیمانہ پر ناانصافیاں، ان کے تعلیمی اور ملی مسائل اور اس طرح کی تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے ہر حصہ میں ایسے کارکن موجود ہوں جن سے ہر مسئلہ اور ہر ضرورت کے وقت ہم فوری اور عملی رابطہ قائم کر سکیں، اور وہ اپنے شہر اور علاقہ میں ان ہدایات پر عمل پیرا ہوں جو صدر دفتر سے دی جائیں،

اس ضرورت اور حقیقت کے پیش نظر نیز ہندوستان میں مسلم جماعتوں اور اداروں کے مزاج اور کردار کے سمجھنے کے بعد اس کے لئے ایک راستہ اور ہے جس پر خود کیا جا سکتا ہے اور جس میں بہ نسبت دوسرے راستوں کے کم دشواریاں ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ایک مشترکہ اشاعتی ادارہ قائم کیا جائے جو انگریزی ہندی اور اردو تینوں زبانوں میں روزنامے جاری کرے اور ملک کے ہر گوشے کو

شہر میں اس کا دفتر ہو، جو نہ صرف ان کی توسیع اشاعت اور خبر رسانی وغیرہ کا ذمہ دار ہو بلکہ وہ ان اخبارات کے مشن کو آگے بڑھانے، اپنے شہر میں اس کے مقاصد کو بروئے کار لانے اور مسلمانوں وغیر مسلموں دونوں میں اس کے لئے فضا کو سازگار بنانے کی کوشش کرے اور ہر مسئلہ اور ہر مشکل میں مسلم قیادت اور عامۃ المسلمین کے درمیان رابطہ اور واسطہ بن سکے۔

اس عظیم مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ اخبارات (اسلامی حدود کے اندر) طباعت وصحافت کے اس بلند معیار تک پہنچ سکیں جہاں بدقسمتی سے غیر اسلامی بلکہ غیر اخلاقی اخبارات و رسائل نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی مقبولیت میں بہت بڑا دخل ان کی ضمیر فروشی کو ہے لیکن تنہا یہی بات نہیں وہ صحافت کے ان اصولوں کی بھی پوری رعایت کرتے ہیں اور فیاضی سے اس پر روپیہ خرچ کرتے ہیں جن سے پرچہ کی ہر دلعزیزی اور اشاعت میں اضافہ ہوتا رہے۔ ان اخبارات کی تعداد اشاعت اتنی ہونی چاہئے کہ وہ اپنا خرچ خود پورا کرسکیں، اس کے لئے باربار چندہ کرنے اور اپیلیں کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

ان تین اخبارات کے ذریعے نہ صرف ایک طاقتور پریس ہمارے ہاتھ آجائے گا، اور ہماری آواز ہر حلقہ میں سنی جائے گی بلکہ اس کے ذریعہ ہم مسلمانوں کے ذہن وفکر کو غلط رخ پر جانے یا بے اعتمادی، بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہونے سے بھی بچا سکیں گے دوسری طرف عام مسلمانوں میں یہ اعتماد پیدا ہوگا کہ اپنے حقوق کی جدوجہد اور اپنے جذبات کی صحیح اور جرأت مندانہ ترجمانی کے لئے ایک اہم ذریعہ ان کے پاس موجود ہے، وہ بے زبان نہیں ہیں، بلکہ پوری قوت اور بلند آہنگی کے ساتھ اپنے جذبات کے اظہار پر قادر ہیں اور اپنے ہر مسئلہ کو پوری جرأت اور صفائی کے ساتھ پیش کرسکتے ہیں۔

اس فائدہ کے علاوہ اس کا ایک بہت بڑا اور قیمتی فائدہ جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے ملک کے طول وعرض میں ان اخبارات کے دفاتر اور مراکز کا قیام ہے جن کے ذریعہ ہر وقت پورے ملک سے رابطہ قائم رکھا جاسکتا ہے اور مختلف شکلوں اور حیثیتوں سے ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ان دونوں کاموں میں (اگر ان کو صحیح اور مؤثر طریقہ پر انجام دیا جائے) ایک زندہ اور فعال تحریک کی طاقت ہے اور ان کے ذریعہ پورے ملک میں ہمدردوں، کارکنوں اور مراکز و دفاتر کا ایک ایسا جال بچھایا جاسکتا ہے جو ملت اسلامی کو ایک دوسرے سے مربوط کردے اور اس کو ایک یونٹ بنادے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا تصادم کسی مسلم جماعت اور ادارے سے نہیں ہوگا۔ البتہ سب جماعتوں اور اداروں کی تائید اور حمایت اس کو حاصل ہوگی یہ ایک نیا کام ہوگا جو اب تک نہیں ہوسکا اس لئے اس میں کسی مداخلت اور تعارض کی بھی گنجائش نہ ہوگی، اس کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار نہ ہوگا اور ملت کے اکثر وبیشتر عناصر اس کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہوں گے۔

وفود کا انتظام اور میمورنڈم کی تیاری یقیناً ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اور کام کا آغاز اسی کے ساتھ ہونا چاہئے تھا لیکن کسی ٹھوس اور بڑے اقدام کے بغیر جس کے نتائج جلد محسوس ہوں اور جس سے ملت اسلامی کی صلاحیتوں اور قوتوں کو منظم اور متحد کیا جاسکے اور ان میں یقین وخوداعتمادی پیدا کی جاسکے، یہ کوششیں زیادہ دیرپا اور دوررس ثابت نہ ہوں گی اور زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد مسلمانوں کو ان کی طرف سے مایوسی اور بددلی پیدا ہونا شروع ہوجائے گی۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر اس طرح کے کاموں کی طرف پورے اہتمام کے ساتھ اور فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

"برائے تعمیر حیات"

نازِ غلامی

از مرحوم حمید صدیقی لکھنوی

بقربانت، کہ در حالِ عجیبم — زتن دورم، بجان و دل قریبم
بچندیں خوش نصیبی، غم نصیبم — غریبم، یا رسول اللہ، غریبم

نہ دارم در جہاں جز تو حبیبم

تو سلطانِ دو عالم، من گدائے — زبوں حالے، فقیرے، بے نوائے
خدارا یک نگاہے، جانفزائے — مرض دارم ز عصیاں لا دوائے

ولے الطاف تو باشد طبیبم

ہمہ عالم امینِ رحمتِ تو — غلاماں را نظر بر شفقت تو
فروغِ زندگیم نسبت تو — بریں نازم کہ ہستم اُمت تو

گنہگارم، ولیکن خوش نصیبم

مسلسل

مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی رح

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

نیز شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے حدیث کی اجازت لی، پھر دہلی تشریف لے گئے، مولانا سید نذیر حسین کے درس میں شریک ہوئے اور اجازت حاصل کی۔ پھر سہارنپور جاکر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا پھر ٹونک واپس تشریف لائے، ریاست کی طرف سے ان تینوں بھائیوں (مولانا سید محمد عرفان حضرت سید محمد مصطفیٰ اور حافظ سید محمد یونس) کی معقول جاگیر تھی، اور حضرت سید صاحبؒ سے قریب ترین تعلق، پھر مولانا سید عرفان اور حضرت سید مصطفیٰ کے زہد و تقویٰ اور جلالت شان کی وجہ سے ریاست میں ان کا بڑا احترام اور وقار تھا، عبادت خدمت خلق صلۂ ارحام مطالعۂ کتب اور علمی و دینی مشاغل میں زندگی گزار کر ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ میں انتقال کیا۔

بیعت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تھی ان کی وفات کے بعد سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

مولانا سید عرفانؒ اس دور آخر میں سلف اولین کا ایک جامع نمونہ تھے جن لوگوں نے ان کو دیکھا ہے اور ان کے ساتھ کچھ دن رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم نے اخلاق و شمائل نبوی کا ایک زندہ نمونہ اور سنت کا ایک چلتا پھرتا اور بولتا صحیفہ دیکھا ہے اتباع سنت اور اس کے التزام و اہتمام، حسن اخلاق اصلاحی اور حقوق شناسی اور تواضع و فروتنی میں اپنی مثال آپ تھے، جو سنن و معمولات حدیث سے ثابت ہیں ان کی ہمیشہ محافظت فرماتے اور ان سے کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہوتا، احکام شریعت میں سے عام دینداروں اور عابدوں کی طرح اصرف عبادات و نوافل ہی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ اخلاق و معاملات اور حقوق و فرائض کی پابندی کا بھی یہی حال تھا، ہمسایہ کا جتنا خیال اور اس کے حقوق کی نگہداشت اس کے ساتھ جتنا سلوک اور امداد فرماتے۔ اس زمانہ میں بہت کم دیکھنے اور سننے میں آیا ہے عیدالاضحیٰ میں ہمسایہ کی طرف سے قربانی تک کرتے، بعض مرتبہ آپ کو دریافت کرتے سنا گیا ہے کہ میاں قربانی کا جانور لوگے یا اس کی قیمت؟ جائداد بھائیوں اور بہنوں میں مشترک تھی، آپ ہی منتظم تھے، ہر ہر چیز شریعت کے مطابق تقسیم کرتے یہاں تک کہ لکڑیاں اور اُپلے بھی حصۂ شرعی کے مطابق ہر ایک کو پہونچاتے، مہمانوں کی کثرت اور لوگوں کی اعانت کی وجہ سے باوجود معقول جائداد کے زیر بار بھی رہتے اور عسر و یسر دونوں سے سابقہ پڑتا، ایک مرتبہ ایک بڑی بی جن کی گھر میں آمد و رفت تھی اور آپ ان کی کچھ امداد فرماتے تھے، گھر کے کچھ برتن چُراکر لے گئیں گھر والوں نے آپ کو ملامت کی اور اُن کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا، آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور کچھ روپیہ ان کو دے کر معذرت کی کہ ہم سے خدمت کرنے میں کوتاہی ہوئی۔ یہ رقم قبول کیجئے اور برتن واپس کردیجئے تاکہ آپ کی بدنامی نہ ہو، اعزہ کے حقوق کا بڑا لحاظ تھا، ہر ایک کی قرابت اور اس کے حق کے مطابق اور ہر ایک کے درجہ کے مطابق اس سے برتاؤ اور سلوک کرتے اور اس بارے میں بڑے عدل اور بڑی حق شناسی سے کام لیتے اور اس کی بڑی جستجو اور فکر رکھتے اور بڑا اہتمام کرتے اگرچہ رئیس اور اعیان ریاست آپ کا مخدوم اور مرشدزادوں کی طرح احترام و اعزاز رکھتے تھے، مگر آپ کو اپنی کسی بڑائی اور فضیلت کا شعور نہ تھا، شہر میں اگر کوئی ذی علم آدمی آتا تو آپ اس سے ملنے میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے، اس کے آنے سے پہلے اس کے جائے قیام پر جاتے اور فرماتے، "اُنقادم میزاس" اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا یا تحقیق کی ضرورت ہوتی تو کسی عالم سے بے تکلف دریافت کرلیتے بعض اوقات اپنے سے کسی کم عمر عالم سے پوچھ لیتے خود عامل بالحدیث تھے لیکن حنفی علماء سے پوچھنے میں آپ کو تامل نہ ہوتا تھا، تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ رائے بریلی تشریف لائے ملازم بیمار ہوگیا، اس کا قارورہ اپنے ہاتھ میں لے کر شہر (جو تکیہ سے فاصلہ پر ہے) حکیم صاحب کے یہاں لے گئے، رقت اور خشیت کا یہ حال تھا کہ عم محترم مولوی سید اسمٰعیل صاحب فرزند نبیرہ حضرت سید احمد شہیدؒ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عید کی چاند رات کو آدھی رات کے وقت ایک شخص کی دردناک آواز کے ساتھ رونے کی آواز آئی اور یہ معلوم ہوا کہ وہ روتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا معلوم ہوا کہ مولانا سید عرفان تھے، اور رمضان المبارک کے اختتام پر اس درد سے رو رہے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بڑا دلنشین اور مؤثر طریقہ اختیار فرماتے اور ہمیشہ اس حکمت اور خوش حسنت سے یہ فرض ادا کرتے کہ سننے والے کے دل میں آپ کی بات گڑ جاتی اور وہ اپنی غلطی پر اصرار نہ کرتا نہ اس کو غصہ آتا۔ بعض اوقات تنہائی میں لے جاکر بڑے درد و اخلاص سے سمجھاتے، ایک مرتبہ نواب اسمٰعیل خاں والی ریاست ٹونک کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک ٹوپی کے کپڑے کی ضرورت ہے، نواب صاحب نے فرمایا کہ تھان حاضر ہیں آپ نے کہا کہ نہیں جتنا کپڑا آپ کے ٹخنے کے نیچے ہے اسی میں میری ٹوپی بن جائے گی خلاف شرع وضع وصورت کو سخت ناپسند فرماتے اور ملائمت کے ساتھ نصیحت فرماتے رہتے اکثر اس موقع پر آیت تلاوت فرماتے اور اس سے ظاہر کی اہمیت پر استدلال کرتے، وذروا ظاهر الاثم وباطنه۔ فرماتے دیکھو ظاہر کو اللہ نے مقدم کیا ہے۔

ان فضائل دینی کے ساتھ عربی ادب و شاعری کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور شعر گوئی پر اچھی قدرت تھی، اشعار صاف رواں اور بے ساختہ ہوتے تھے بعض مرتبہ بڑی بے تکلفی سے آیات و الفاظ قرآنی کی تضمین ہوتی۔ شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم نے آپ سے خواہش کی تھی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب کی تعلیم دیں اور ادیب کا عہدہ قبول فرمائیں لیکن آپ نے اپنے استغنا میں اس کو منظور نہیں کیا۔

مولوی سید سید فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ

مولوی سید عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہیں جو باوجود سرکاری ملازمت کے درویش سیرت اور نہایت خاشع و متواضع بزرگ تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت و تربیت اور آپ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد علی رامپوریؒ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

۱۲۵۴ھ میں حضرت شاہ علم اللہؒ کے دائرہ میں ولادت ہوئی، آپ کے نانا مولانا سید محمد ظاہرؒ صاحب ظاہر و باطن حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ مجاز اور ان اطراف میں اپنے وقت میں سب سے بڑے شیخ طریقت اور عالم و مفتی تھے۔

(باقی ص ۱۰ پر)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ

ڈاکٹر مصطفیٰ خاں پی۔ ایچ ڈی۔ ڈی لٹ سندھ یونیورسٹی

"دریں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سرہند دام زرق و سالوس فرو چیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ و بہ ہر شہرے و دیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ، مزخرفاتے کہ بہ مریدان و معتقدانِ خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ و در آں جنگ مہملات و بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجر می شود از آں جملہ مکتوبے نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گذرم بمقام ذی النورین افتاد ..... بنا بریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند حسب الحکم بملازمت پیوست و از ہرچہ پرسیدم جواب معقول نہ توانست سامان نمود۔ با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد۔ صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندان ادب محبوس باشد و شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرو نشیند لاجرم بہ انی رائے سنگھ دلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد"

میرا خیال ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ایک معاصر بادشاہ جو شہزادگی کے زمانے میں ابوالفضل جیسے چہیتے وزیر کو قتل کرا سکتا تھا حضرت مجددؒ کو قتل کرانے میں کیا دقت محسوس کر رہا تھا۔ یہی کہ انھوں نے ملک ہند کے طول و عرض میں "ہر شہرے و دیارے" اپنی دکان کھول رکھی تھی اور گو کہ وہ "بغایت" مغرور و خود پسند" تھے لیکن ان کا قتل کرانا آسان نہ تھا۔ صرف یہ عبارت حضرت مجددؒ کے پورے ماحول کی ایک اجمالی تصویر پیش کر دیتی ہے اس کے مطالعہ سے وہ سب باتیں آئینہ ہو جاتی ہیں کہ ۱۰۲۸ھ تک کس طرح حضرت مجددؒ کے "زیر تسلط" پورا ملک آگیا تھا اور جہانگیر کے خوشامدی امراء و علماء نے کس کس طرح بادشاہ کے کان بھرے ہوں گے۔ پھر جہانگیر قتل کرانے کے بجائے صرف قید پر اکتفا کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو تھی؟ کہیں اسے اپنی مملکت کے امراء، روساء اور "ہر شہرے و دیارے" کے لوگوں کی "شورش" کا کوئی خیال تو نہیں تھا؟ پھر قید بھی کرتا ہے تو بھی "روزے چند"۔ دیکھئے ۱۰۲۹ھ ذیل میں بھی تو ہے یعنی چند روز ہی سال جلوس ۱۰۲۸ھ کے ضمن میں تو زک جہانگیری کے یہ الفاظ غور طلب ہیں۔

"دریں ایام شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دکان آرائی و خود فروشی و بے صرفہ گوئی روزے چند در زندان ادب محبوس بود، بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم او از روئے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتے و کفایتے بود"[1]

جاہ و جلال والا اور روحانیت کے فضل و کمال والا اپنے اپنے انداز سے اس قید کو "ہدایت و کفایت" سمجھتا ہے پھر اس زمانے کے "خلعت و ہزار روپیہ" کا پس منظر کیا ہوگا؟ کہیں بادشاہ متاثر و معتقد تو نہیں ہو گیا تھا؟ کیا وہ کچھ تالیف قلب کرنا چاہتا تھا؟ پھر کیا وجہ تھی کہ رہا ہو کر چلے جانے کا اختیار دیدینے کے بعد بھی حضرت مجددؒ نے اس اختیار سے فائدہ نہیں اٹھایا؟ کیا کوئی دنیا کی ہوس تھی؟ یا دوسروں کی "ہدایت" پیش نظر تھی یا اب حضرت مجددؒ نے سجدہ تعظیمی والی "رخصت" کو منظور کر لیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اس خلعت و انعام اور جانے نہ جانے کے اختیار کا ذکر محض عقیدت کی بنا پر تھا۔ اور "دکان آرائی" کا ذکر محض اپنی بات رکھنے کے لئے ہے ورنہ بادشاہ خود اپنی تحریر سے اظہار ندامت کیوں کر سکتا تھا؟ اور ایک شرابی عیش پرست بادشاہ کے "زندان ادب" میں جب فاضل محترم نے ص ۲۳۰ میں بھی حاشیہ آرائی کی ہے ایک اہل ورع اور تقویٰ کس طرح کس نظریے کے مطابق کیا کچھ حاصل ہوا ہوگا وہ جہانگیر کے جائزے اور محاسبے سے بہت بعید ہے۔ ذرا جہانگیر کے پوتے دارا شکوہ کا ایک قول بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے:-

"در اواخر حال بعضے بر شیخ (مجددؒ) تہمت کردند کہ شیخ می گوید مرتبہ من زیادہ است از خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اما ایں محض بہتان و افترائے مخالفان است بر شیخ"[2]

دارا شکوہ نے اپنے استاد میرک شیخ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی روشنی میں مختلف اعتراضات کی تردید کی ہے۔

بہر حال فاضل محترم نے بھی اعتراف کیا ہے کہ "قید خانے کی رہائی کے بعد جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو اجازت دیدی تھی کہ وہ چاہیں تو لشکر کے ساتھ رہیں چاہیں تو گھر چلے جائیں آپ نے لشکر کا ساتھ دینا پسند کیا۔ اس طرح سارے لشکر میں بلکہ ساری مملکت میں... ... ... جہاں جہاں لشکر جاتا تھا تلقین و ہدایت کا موقع ملتا۔ اس سے پہلے جب آپ جیل خانے میں محبوس تھے تو آپ نے اپنے رفقائے زنداں میں سے کئی بت پرستوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا تھا لشکر کے ساتھ قیام کے دوران آپ کو بادشاہ کو بھی تلقین کرنے کا موقع ملتا۔ (پھر مکتوبات شریف کے دفتر سوم کے ایک مکتوبات کا اقتباس ہے کہ)

"خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت و دیدار کے اثبات اور ... خاتم المرسلؐ کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدار اور تراویح کی سنت اور تناسخ کے باطل ہونے جنوں اور جنتیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا۔ بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہا۔ اس اثناء میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب و اوتاد و ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیات وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے آئے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا (ص ۲۲۹) یعنی اس سے پہلے بادشاہ کو ایسی چیزیں سننے سے گریز تھا اور جتنی باتیں اس مکتوب میں بیان کی گئی ہیں ان سب کو پیش

(بقیہ ص ۱۲ پر)

[1] محترم نے صفحہ ۲۲۵ کے حاشیے میں سید احمد افغانی کے قید کا ذکر بھی کیا ہے وہ بھی وحدت الوجود کے خلاف تھے اور ان کے بھی بہت سے مرید تھے لیکن ان کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ چند روز کی قید کے بعد انھیں بھی جانے یا رہنے کا اختیار دیا گیا تھا اور یہ بھی نہیں لکھا کہ انھیں بھی رہائی پر خلعت اور ہزار روپیہ دیا گیا تھا مؤرخ نے ص ۷۵ میں مخزن افغانی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "در وقت ملاقات سجدہ تکریم و تحریم کہ در سلسلہ چشتیہ متعارف است بجا نیاوردہ" ص ۷۰ میں شیخ سلیم چشتیؒ کے متعلق بھی ایک قول آچکا ہے کہ وہ خلاف شریعت آداب بھی رکھتے تھے بہر حال سید احمد افغانی تین سال تک گوالیار میں قید رہے اور ۱۰۱۹ھ میں خان جہاں کی سفارش سے رہا ہوئے۔ یہ بزرگ مجذوب بھی تھے جیسا کہ فاضل محترم نے ص ۳۰۰ پر لکھا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ جذب سے بادشاہ کو سجدہ نہ کرتے پر قید میں جانا پڑا ہوگا۔

[2] سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ کانپور ۱۸۸۴ء ص ۱۹۷۔

چند روز دیار غیر میں

یورپ کی کہانی ایک ندوی سیاح کی زبانی

(۲)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ایک دن بیروت میں گذار کر ۱۸ جولائی کو روم پہونچے بیروت اور روم کے درمیان فضائی مسافت ۳ گھنٹے کی تھی مسافر کے لئے ہر شے اجنبی تھی، یورپ کی پہلی سرزمین تھی جہاں قدم رکھا تھا، سنتے آئے تھے کہ انگریزی زبان سے اگر واقفیت ہے تو دنیا کے ہر خطہ میں کام چل سکتا ہے، ممکن ہے یہ بات ان مشرقی ممالک کے لحاظ سے صحیح ہو جہاں برطانوی استعمار تھا یہاں تو دنیا ہی دوسری نظر آئی۔ سوائے ایک گائڈ رہنما کے کوئی بھی انگریزی کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہیں اپنے مشرقی ممالک میں تو سائن بورڈ پر مقامی زبانوں سے اوپر اور نمایاں حروف انگریزی ہی کے ہوتے ہیں مگر یہاں تو دنیا ہی نرالی ہے۔ کوئی سائن بورڈ، کوئی اشتہار، ہدایت نامہ ایسا نہیں جس میں ثانوی یا ثالثی ہی طور پر انگریزی ہوتی، سب مقامی اطالوی زبان میں تھے۔ مطار (فضائی مستقر) پر شکوہ اور انتظامات امید سے زیادہ اعلیٰ تھے۔ چشم زدن میں بجلی کی خودکار سیڑھی سے سامان کسٹم ہاؤس پہونچا جہاں صرف ایک سوال کیا گیا کہ کوئی قابل اعتراض یا چنگی ادا کرنے والی چیز ہے؟ جواب قدرتاً نفی میں دیا، اور سامان مسافر کے حوالہ کر دیا گیا۔ مطار سے ایئر انٹرنیشنل (شہر میں فضائی سفریات کا مرکز) ایئر لائن کی بس نے پہونچایا جہاں یورپ کی ہر زبان فرنچ، جرمن، اطالوی اور انگریزی کے لئے علیحدہ علیحدہ کھڑکیاں تھیں۔ انگریزی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ایک فہرست ہوٹلوں کی نظر آئی، ہر درجہ اور ہر کرایہ کے ہوٹل تھے، متوسط درجہ کے ایک ہوٹل میں کمرہ کی خواہش کی، متعینہ ملازم نے ٹیلیفون سے بک کر دیا اور ایک پرچہ حوالہ کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسی پرچہ کو دیکھ کر ہوٹل پہونچا دیا۔ نیچر انگریزی زبان جانتا تھا۔

روم کا نام کب سے سنا تھا یہ تو یاد نہیں لیکن اس نام کے ساتھ بہت سی چیزوں کی نسبت ہے جو یکے بعد دیگرے یاد آنے لگیں۔ رومن حروف، رومن آرٹ، رومن لا اور وہ رومن امپائر جس کا امتداد بزنطینی شاہنشاہیت[1] تھی جس کا ایک حکمران ہرقل[2] تھا۔ اور جس شاخ نے قسطنطنیہ پورے علاقے کو روم ہی کہا جاتا تھا اور اس زمین سے اٹھنے والے علماء و مشائخ کی نسبت روم سے کی جاتی تھی جیسے مولانا رومی (مثنوی والے) قرآن میں بھی رومیوں کے اس سلطنت کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی تھی جو حضرت ہجرت نبوی[3]

ہرقل کے نام مکتوب رسالت، پھر ابو سفیان سے اس کا مکالمہ بخاری اور تمام احادیث کی کتابوں میں تفصیل سے درج ہے۔ خیر اب تو اٹلی کے اس دارالحکومت ہی کو روم کہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی کا تین حصہ کیتھولک عیسائیوں سے آباد ہے۔ بقیہ ایک حصہ میں پروٹسٹنٹ، یہودی اور کچھ مسلمان بھی ہیں۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر "ویٹکان" ایک شہر کا ملک واقع ہے جہاں کیتھولک عیسائیوں کا اسقف اعظم رہتا ہے۔ اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد شیخ المدوسی کے بیان کے مطابق ۲۰ ہزار ہے[4] لیکن یہ تعداد ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہے۔ اب غالباً زیادہ ہو گئی ہوگی۔ عرب تاجروں کی خاصی تعداد روم میں موجود ہے لیکن مسلمانوں کے وجود کی کوئی عملی دلیل شہر کی زندگی میں نہیں ملتی۔ مثلاً حلال ذبیحہ کا انتظام ہوتا یا ایک مسجد جو موجود ہے وہ آباد ہوتی۔ مصریوں نے الجالیۃ العربیۃ قائم کی ہے مگر وہ ان کی سیاسی جدوجہد تک محدود ہے۔

روم میں دو روز مقیم رہا۔ یہاں کا قیام سفر کے پروگرام میں نہیں تھا، صرف سیاحت کی غرض سے ٹھہر گیا تھا۔ اسی لئے نہ کسی کو اطلاع دی تھی اور نہ کسی شناسا کی پہلے سے جستجو کی تھی سیاحت کرنے والوں کے لئے یہاں اور یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں بہت اچھا اور سستا انتظام ہے۔ مختلف کمپنیاں جن میں تھومس کوک سب سے زیادہ مشہور ہے۔ سیاحوں کو شہر کی سیر کرانے اور تمام تاریخی مقامات کا مشاہدہ کرانے کا بہت ہی مرتب و منظم پروگرام رکھتی ہیں۔ میں نے جب شہر دیکھنے کی خواہش کی تو ہوٹل ہی میں شہر کا نقشہ اور قابل دید مقامات کی فہرست ان کی ساخت، خصوصیات، مختصر تاریخ پر مشتمل لٹریچر مل گیا۔ ساتھ ہی ایک مطبوعہ نقشہ ملا جس میں دکھایا گیا تھا کہ تھومس کوک کمپنی کی بسیں کن اوقات میں اور کن مقامات کی طرف جاتی ہیں۔ پروگرام نمبر ۱ نمبر ۲ کے انداز پر مرتب تھا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ تمام لٹریچر پروگرام اطالوی زبان میں تھا۔ کچھ اندازے کچھ منیجر ہوٹل کی گفتگو سے سمجھ کر اتوار کے روز دو سیاحوں کے ٹکٹ ہوٹل ہی سے خرید لئے۔ وقت مقررہ پر گاڑی آئی جس پر بہت سے امریکن، جاپانی، ہولینڈی ساز موجود تھے۔ ایک گائڈ انگریزی، دوسرا فرنچ میں مقامات کی تشریح کرتا جاتا تھا گاڑی جس طرف سے گذرتی اس شاہراہ کا تعارف کراتا اور بیچ درمیان میں ایک دو جملے ظرافت کے بھی کہتا جاتا کہ مسافروں کی دلچسپی قائم رہے اور خشک "تشریح مقامات" سے اکتا نہ جائیں، مثلاً ایک بازار کی طرف سے گذر ہوا تو اس نے کہا کہ یہ تحائف و نفائس کا مشہور مارکٹ ہے۔ جہاں آکر بیگمات اپنی آنکھیں کھولتی ہیں اور مرد اپنے جیب بند کر لیتے ہیں۔

روم میں بزنطینی شہنشاہیت کے عظیم الشان قلعے ہیں جو کھنڈر ہونے کے باوجود زبان حال سے اپنی عظمت رفتہ کی کہانی دہراتے ہیں۔ میں نے دلی کا لال قلعہ آگرہ اور فتح پوری کے قلعے بھی دیکھے ہیں۔ لیکن یہ رومی قلعے زیادہ وسیع اور پرشکوہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وہ رومۃ الکبریٰ کے ایوان ہیں جن کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ؎

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

گائیڈ سلاطین ماضی کی عظمتوں کی داستان پارینہ دہرا رہا تھا۔ کھنڈروں کے باقی ماندہ نقش و نگار، مصوری اور بت تراشی کے کمالات کو واضح کر رہے تھے جو بلاشبہ سیاحوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

[1] BYZANTING EMPIRE

[2] HERACLIUS

[3] بسم اللہ الرحمن الرحیم الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین، للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون۔ الروم سے مراد رومی شہنشاہیت ہے۔ فارسی حکمران خسرو ثانی نے ہرقل کو بیت المقدس میں شکست دی تھی۔ اس پر کفار قریش خوش اور مسلمان اہل کتاب کی شکست سے غمزدہ تھے۔ اس پر پیشین گوئی کی گئی کہ چند سالوں میں روم پھر غالب ہو جائیں گے۔ لفظ بضع کا اطلاق اکائی کے عدد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی پیشین گوئی سچ ہوئی۔ رومیوں نے ۶۱۵ء میں شکست کھائی تھی اور سات سال کے بعد ۶۲۲ء میں دوبارہ غالب آگئے۔

[4] مذاہب عالم ایک معاشرتی و سیاسی جائزہ مولفہ احمد عبداللہ المدوسی۔

ایک مردِ مجاہد جزیرۂ انڈمان میں

منزلِ عشق پہ تنہا پہونچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

محمد ثانی حسنی

۱۹ اگست ۱۸۶۴ء کو پٹنہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ پیش کی کہ "باغی جماعت اور باغیانہ خیالات ترقی پر ہیں۔ انگریزی صوبہ کے اس دارالسلطنت (پٹنہ) کے خاص باشندے علانیہ بغاوت کی تبلیغ کرتے ہیں پولیس بھی ان سے ملی ہوئی ہے۔ اور ان کے ایک سردار (مولوی احمد اللہ) نے اپنے مکان میں سات سو آدمیوں کے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ اگر مجسٹریٹ کی طرف سے مزید خانہ تلاشی ہوئی تو وہ ہتھیاروں سے مقابلہ کریں گے۔"

پٹنہ میں احمد بخش نامی ایک رئیس زادے تھے۔ ناز و نعم میں پلے اور دنیاوی وجاہت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کرلیا۔ خاندانی لحاظ سے بھی بڑے بلند تھے۔ ہر خاص و عام ان کی عزت کرتا سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد جب ہندوستان میں پھیلی تو یہ احمد بخش بھی اپنے خاندان کے بزرگوں کے ساتھ تحریک جہاد میں شریک ہوگئے۔ سید صاحب نے احمد بخش نام بدل کر احمد اللہ رکھ دیا۔ تمام علوم دینیہ کی تکمیل کی اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ بڑے منتظم، صاحب تدبیر اور بارسوخ و سربرآوردہ شخصیت کے مالک تھے۔ والسرائے کے دربار میں درجہ اول میں شمار ہوتے تھے۔ حکومت رعایا کے تصفیوں میں ان ہی کو ثالث اور حکم بنایا جاتا۔

لیکن سید صاحبؒ کی تحریک نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا، سوز و مستی اور جذب و شوق دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا وہ ایک سیماب کی مانند ہوگئے جو حق کی بلندی کے لئے تڑپنے لگے۔ اس راہ میں ان کو اپنی کرسی اپنی عزت و وجاہت، اپنے رسوخ کی بھی پرواہ نہ رہی اور اعلاء کلمۃ حق کی خاطر سب کچھ لٹانے کو تیار ہوگئے یا تو ان کا تعلق انگریز حکام سے تھا اور ان کے درباری بنے ہوئے تھے یا ایسا ہوا کہ مجاہدین سے تعلق پیدا ہوگیا۔ تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حکومت کی نگاہیں پھریں، دوست کو دشمن پایا اور عزیز کو بیگانہ۔ خاندان تو پہلے ہی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ بھائی مولانا یحییٰ علی قبل ہی گرفتار کئے جا چکے تھے لیکن مولانا احمد اللہ پر حکومت ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچاتی تھی۔ ان کا ایک مقام تھا، اور عوام و خواص میں ایک بڑا رسوخ حاصل تھا لیکن یہ رسوخ، عزت و قربت کہ یہ مقام اعلاء حق کے درمیان حائل نہ ہوسکا۔ یہ مرد مجاہد اٹھا اور ببانگ دہل کفر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ حکومت کب تک برداشت کرتی۔ خاندان کے گھروں کی تلاشیاں ہونے لگیں اور طرح طرح کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ آخرکار سازش کا الزام لگا اور ۱۸۶۵ء میں گرفتار کرلئے گئے۔ گرفتاری کے بعد مولانا کا مقدمہ دو اجلاسوں میں پیش ہوا اور دونوں اجلاسوں سے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ لیکن کلکتہ کے ہائی کورٹ میں اپیل کرنے سے سزائے موت حبس دوام سے بدل گئی۔

پیروں میں بیڑیاں پڑیں اور جزیرہ انڈمان کو روانہ ہوئے عزت و وقار نے جواب تک سر کا تاج بنے ہوئے تھے پیر کو تھامنا چاہا مگر اس مرد مجاہد نے اتنی کی عزت و وجاہت کرسی حکومت درباداری اور وقار و دولت سے آنکھیں پھیرلیں اور آخرت کی سرخروئی کو دنیا کی جھوٹی عزت پر ترجیح دی و من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا و من یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منہا و سنجزی الشاکرین۔

آپ جزیرہ انڈمان پہونچے، جسم تو قید تھا لیکن دل آزاد، روح کو ایسی مسرت حاصل تھی کہ دنیادار کو دنیا کی بڑی سے بڑی ...... دولت اور وجاہت پر بھی ایسی خوشی حاصل نہیں ہوسکتی، عزت و وقار نے پھر آگے بڑھ کر قدم چومے مگر آپ ان وقتی عزتوں سے بیزار ہوچکے تھے اور صرف رب کی خوشنودی کے خواہاں تھے اور اسی سے لو لگائے تھے، قید و بند کی سختیاں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں، آپ کمزور ہوتے گئے اور کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت ہوئی عمر تقریباً اسی سال کی ہوگئی تو آپ نے درخواست کی کہ مولوی محمد یقین صاحب جو آپ کے صاحبزادے تھے ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں مگر صرف اس سبب سے یہ درخواست رد کردی گئی کہ آپ وہابی ہیں اور وہابی کے ساتھ کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔

مولانا انڈمان میں اٹھارہ سال رہے اور مسلسل غربت و سکنت کے عالم میں یہ زمانہ گذرا۔ آخر آخر تک کسی کو خدمت کرنے کی اجازت نہ ملی جب اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہوگئے اور بیماری نے اپنے شکنجے میں لے لیا تو ان کے بھانجے مولانا عبدالرحیم صادقپوری کو بڑی رد و قدح اور بڑی مشکل سے ان سے ملنے اور خدمت کرنے کی اجازت ملی، وہ خدمت میں حاضر ہوئے مگر پہونچ کر دیکھا کہ اس مرد مجاہد کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی ہے۔

۲۰ نومبر ۱۸۸۱ء کی شب تھی کہ انتقال کا واقعہ پیش آیا۔ انتقال کے وقت عبدالواحد نامی ایک ملازم تھا۔ انتقال کے بعد انگریزوں کی دشمنی کم نہ ہوئی اور بے جان لاشہ سے بھی انتقام پر تلے رہے۔ کسی ایسے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ ملی جہاں کوئی عزیز دفن ہو۔ آمد و رفت کی آسانی ہو، دور دراز اور وحشتناک علاقہ میں دفن کرنے کا حکم ہوا، اور جگہ بھی متعین کردی گئی۔ ڈنڈاس پیٹ جزیرہ انڈمان سے دور ایک بڑا وحشت ناک اور ڈراونا مقام تھا! وہ ایک ٹاپو تھا ایک طرف آسمان سے بات کرنے والے درخت دوسری طرف سمندر کی شور...... کرنے والی موجیں جو پہاڑوں کی مانند اٹھتیں اور ٹاپو سے ٹکراتی تھیں۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ اور درختوں کے ہلنے اور ٹکرانے کی آوازیں کہ انسانوں کی روح کانپ جاتی آئیے اس مرد مجاہد کی آخری زیارت گاہ کا منظر مولانا عبدالرحیم صادق پوری کے الفاظ میں سنئے۔ تذکرہ صادقہ میں ذکر ہے کہ

ہم لوگ، غسل و کفن دے کر اور نماز پڑھ کر ایک چھوٹی سی کشتی میں ڈانڈا پیٹ گئے اور وہاں سمندر کے کنارے ایک ٹیلے پر ..... آپ کو دفن کیا وہ ٹاپو عجیب وحشت ناک نظر آیا۔ ایک طرف تو جنگلی درخت جو آسمان سے بات کرتے ہیں اور دوسری طرف سمندر کی موجیں مانند پہاڑ کے آکر جزیرہ کو تھپڑ لگا رہی ہیں ایک طرف تو جنگل کی ہوا خوب زور دار شائیں شائیں کررہی ہے اور دوسری طرف امواج سمندر شور و غل مچا رہے ہیں گویا نمونہ محشر بپا ہے۔ ایسی حالت میں ہم لوگ ایسے در یتیم کو ایسے لعل شب چراغ کو ایسے یاقوت احمر کو اپنے ہاتھوں مٹی میں دبا کر آہ سرد بھرتے ہوئے چشم گریاں و دل بریاں وہاں سے اپنی جگہوں پر واپس آئے۔

آگے مولانا عبدالرحیم صاحب کتنے حسرت بھرے الفاظ فرماتے ہیں

اے حضرات ناظرین اپنے کانوں سے پنبۂ غفلت کو دور کرکے اور اپنی آنکھوں سے غشاوہ بے ہوشی کو اٹھا کر ذرا ہوش سنبھال کر اس سانحہ کو دیکھو کہ آپ کہاں پیدا ہوئے اور کس ناز و نعم میں پلے اور پرورش پائی اور پھر کس ثروت و نام و نشان کے ساتھ ایک بہت بڑا حصہ اپنی عمر کا آپ نے طے کیا اور پھر آخر میں بہ شوق دارالآخرت آپ سب کو خیرباد کہہ کر کس تنہائی و غربت و کربت کی حالت میں واصل بحق ہوئے۔

ٹیسو جب پھولن پر آئے   پات پات کر سب لٹائے
کالا منہ کر جگ کو دکھائے   تب لالن کو لالی آئے

یہ چمن ہے نا آشنائے خزاں

عبدالحمید ساگر

فخرِ جن و بشر تاجِ پیغمبراں
رحمتِ عالمیں، سرورِ دوجہاں
اے مجسّم یقیں عرش کے رازداں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

تیری مدح و ثنا کس طرح ہو بیاں
ہے قلم منفعل اور قاصر زباں
مصدرِ زندگی رشکِ قدسیاں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

زندگی تجھ سے ہے روشنی تجھ سے ہے
سارے عالم کی تابندگی تجھ سے ہے
تیری عظمت کے شاہد زمان و مکاں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

تیری آمد جہاں کی نئی زندگی!
تیرا پیغام ہے حاصلِ زندگی
تیرا گلشن ہے نا آشنائے خزاں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

تیری امت میں لے شاہ والا صفات
سر اٹھانے لگے پھر سے لات و منات
ہر طرف آگ ہے ہر طرف ہے دھواں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

زندگی کی سحر رات پھر ہوگئی
تیری امت نزاعات میں کھو گئی
مضطرب ہے یقیں، اوج پر ہے گماں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

اف ہماری بہاریں خزاں ہوگئیں
آہ دلکش نوائیں فغاں ہوگئیں
خوں کے آنسو رلاتی ہیں بربادیاں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

میں سیہ کار ہوں اور شکار الم
اب اٹھائے نہ اٹھے ہے یہ کوہ غم
میری تسکیں کا باعث ترا آستاں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

تجھ پہ لاکھوں درود اور لاکھوں سلام
بے کسوں کے ولی انبیاء کے امام
اس طرف بھی کرم کی نظر مہرباں
شافعِ عاصیاں تجھ پہ قربان جاں

دلِ درد آشنا

حلیم الوحی ٹونکی

دیدۂ پرنم دلِ درد آشنا رکھتا ہوں میں
مخزن صد انجام اپنی ابتدا رکھتا ہوں میں

جس میں تو آئے نظر وہ آئینہ رکھتا ہوں میں
عکس ہوں تیرا تری ہر ہر ادا رکھتا ہوں میں

دل میں یادِ شاہد رنگیں ادا رکھتا ہوں میں
حسن میں ڈوبے ہوئے ارض و سما رکھتا ہوں میں

گوشۂ دل میں یہ فیضانِ محبت ان دنوں!
دیدنی اک عالمِ لاانتہا رکھتا ہوں میں

ہے ہجوم جلوۂ صد رنگ نظروں میں مگر
دل میں اک آئینہ وحدت نما رکھتا ہوں میں

ہر نفس ملحوظ خاطر ہے مجھے مرضی دوست
زندگی شایانِ تسلیم و رضا رکھتا ہوں میں

حسن بے حد مرکزِ شوقِ تماشا جب سے ہے
ہر تعین سے نظر کو ماورا رکھتا ہوں میں

دیدنی ہے کشمکش بحرِ تلاطم خیز میں
ناخدا رکھتا ہے کشتی اور خدا رکھتا ہوں میں

جامِ جم گیتی نما تھا بادہ خوارو بھول جاؤ
لو مرا دل دیکھو جامِ حق نما رکھتا ہوں میں

نورِ حق، حبِ محمدؐ، الفتِ اہلِ صفا
دل میں کیا کیا نعمتیں صل علیٰ رکھتا ہوں میں

تجارتی سود اور اسلام

اسیر ادروی

موجودہ دور میں تجارتی قرضوں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، حالات نے کچھ ایسی شکل اختیار کر لی ہے کہ کسی وسیع تجارت کے لئے بغیر بنک کو وسیلہ بنائے کامیابی دشوار ہے۔ مسلمانوں کی اقتصادی و معاشی پریشانیاں ظاہر ہیں، وقت کا تقاضا ہے کہ علماء ملت موجودہ تجارتی دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بنک اور دوسرے تجارتی قرضوں کے ذریعہ تجارت کے امکانات پر شرعی نقطہ نگاہ سے غور فرمائیں۔

اسلام نے جس زمانہ میں سود کی حرمت کا اعلان کیا اس زمانہ میں بھی سود کی قہرمانیت مسلم تھی اور آج جبکہ سود دنیا کے گوشے گوشے میں رائج ہے اور ہر کاروبار میں سودی غبار لپٹا ہوا ہے اس وقت بھی سود کو غیر اخلاقی ظالمانہ فعل اور اس نظام سرمایہ داری کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے جس نظام سے بغاوت کو ترقی پسندی کہا جاتا ہے اور دنیا کی بہت بڑی آبادی اس کی سخت گیری اور چیرہ دستی سے بیزار ہے کیونکہ نظام سرمایہ داری نے سود کی مضرت کے اس پہلو کو بھی روشن کر دیا ہے جس کی طرف آج سے صدی دو صدی بیشتر ان لوگوں کی نگاہ نہیں جاتی تھی جو اسلام میں سود کی حرمت کو حیرت اور تعجب کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے بیسویں صدی نے تو اسلام میں سود کی حرمت کا راز آشکارا کر دیا ہے کیونکہ دنیا کی ایک تہائی آبادی نے آج اپنے دائرہ کار میں سود کی لعنت کو مٹانے کی کوشش کی ہے جو فاشزم اور مارکسزم نظام زندگی کی دعویدار ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں نظریۂ حیات سود کو بیخ و بن سے اکھیڑ دینے میں پوری طور پر کامیاب تو نہیں ہو سکے لیکن ان کے اقدام سے اتنا تو یقینی طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کے مسلم الثبوت عقلاء اور دنیا کے مانے ہوئے مدبرین بھی سود کو بدترین لعنت سمجھنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کے خلاف آج دنیا میں جو عام رجحانات پائے جاتے ہیں اس میں بھی یہ پہلو نمایاں ہے کہ اسلام نے جس سود کو ڈیڑھ ہزار برس پہلے حرام اور غیر اخلاقی فعل کہا تھا اس کو اختیار کر کے سرمایہ داری نظام دنیا کے لئے ایک شدید عذاب بن چکا ہے جس سے اقتصادی گرداب میں پھنسی ہوئی دنیا پناہ مانگ رہی ہے۔ سود کی نفع بخشی کا قصیدہ بھی ہر زمانہ میں پڑھا جاتا رہا ہے اسلام کے اولین اعلان کے موقع پر بھی کہا گیا کہ داعیٔ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر اپنے ماننے والوں کے لئے خوشحالی کے دروازے بند کر دئے حالانکہ سود بھی ایک کاروبار ہے جیسے اور دوسری تجارتیں، اور آج جبکہ سود کی قہرمانیت کا ایک بار پھر اعتراف کیا جانے لگا ہے۔ تو پھر ایک طبقہ سودی نظام کے خیر و برکت کی قسمیں کھانے لگا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہر زمانہ میں جب اس طبقہ کے مفاد پر اثر پڑتا ہے جو اس نظام میں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے دولت سمیٹتا رہتا ہے تو سودی کاروبار کے نفع بخش ہونے کا پروپگنڈہ شروع کرتا ہے، پہلے بھی یہ آواز اسی طبقہ سے اٹھی تھی اور آج بھی یہ آواز اسی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی طرف سے اٹھائی جا رہی ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ آج ہمارے علماء بھی پیچ میں پڑ گئے ہیں اور ذہنی مرعوبیت کچھ اس طرح ان پر طاری ہو گئی ہے کہ ہندوپاک میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو رہا ہے جو حدیث و قرآن سے ایسی سند ڈھونڈھ رہا ہے جس کی روشنی میں تجارتی سود کو جائز قرار دے سکے، فقہ کی کتابوں کی چھان بین ہو رہی ہے اور ایسی جزئیات تلاش کی جا رہی ہیں جو "کمرشل انٹرسٹ" کے خیر و برکت کے بند دروازے کی کنجی ثابت ہو سکیں آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا سود کی حرمت اسلام کے دامن پر کوئی بدنما دھبہ ہے؟ کیا اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر مسلمانوں کا سر اقوام عالم کے سامنے نیچا کر دیا ہے؟ کیا آج مسلمانوں کی اقتصادی تباہی اور معاشی پستی کا واحد سبب سود کی حرمت ہی ہے؟ جہاں تک میرا خیال ہے ان میں سے کوئی بات واقعیت کی دنیا میں صحیح نہیں ہے، یہ فخر مسلمان قوم کو ہمیشہ رہا ہے کہ اس نے من حیث القوم سود کو کبھی بھی اپنے کاروبار میں دخل نہیں دیا اس کے باوجود انھوں نے دنیا میں وہ ترقیاں حاصل کیں جو تاریخوں میں معجزہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مسلمانوں کی شاندار تہذیب، بے مثال تمدن، حیرت ناک تجارتی ترقیاں، مادی اسباب و وسائل کی بے انتہا فراوانیاں آج ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں تو حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں، کیا ترقی کے ان حدود میں آپ کو کہیں بھی سود کی پرچھائیاں نظر آ رہی ہیں؟ ایک زمانہ تھا جب مسلمان قوم دنیا کی سب سے متمدن، سب سے مہذب، سب سے زیادہ ترقی یافتہ، سب سے زیادہ خوشحال قوم مانی جاتی رہی ہے، کیا سود کی حرمت نے ان کے قدم کہیں پکڑے؟ ان کو آگے بڑھنے سے روکا؟ ترقی و خوشحالی کے میدان میں آگے بڑھتے ہوئے قدم کو سود کی حرمت پیچھے کھینچنے کی جرأت کر سکی؟ اگر ان باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر آج ہم کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ آج کے حالات پر حدیث و قرآن کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ نے ایسی غلطی کی تو یقین مانئے کہ جس طرح جاگیرداری نظام کے بعد سرمایہ داری نظام آیا اسی طرح سرمایہ داری نظام کی لاش پر جمہوری اور عوامی حکومت کی تعمیر ہو گی اور اس وقت سود کا خلاف قانون ہونا ہر مہذب ملک کا دستور ہو جائیگا۔ سود کی لعنت میں گرفتار قومیں ذلیل اور قابل نفرت تصور کی جائیں گی اس وقت ایک بار پھر آپ اسلام کو بدلے ہوئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔ ان باتوں سے اسلام رسوا ہو جائیگا اس کے اصولوں کی پختگی مجروح ہو جائے گی اور اسلام کا کردار ہمیشہ کے لئے بدنام ہو جائیگا۔

میرے سامنے وہ تمام دلائل ہیں جو اب تک تجارتی سود کے جواز کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ تمام دلائل تار عنکبوت سے زیادہ کمزور اور صرف اپنے دلی تقاضوں کے سانچے میں انھیں ڈھال کر پیش کیا جا رہا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ سود کے لئے قرآن پاک میں "ربوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا ٹھیک وہی مفہوم ہوگا جو اس وقت عرب سوسائٹی میں رائج تھا اور ہم جانتے ہیں کہ عرب میں اس وقت صرف حاجت مند اور صرفی قرضوں کا رواج تھا تجارتی قرضہ نہیں تھا یہ تو بیسویں صدی کی پیداوار ہے اس لئے وہی مہاجنی سود حرام ہے۔ تجارتی سود اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کسی نے کہا سود کی وہ روح جس کی بنا پر سود حرام کیا گیا ہے وہ صرف مہاجنی یعنی احتیاجی اور صرفی سود میں پائی جاتی ہے تجارتی سود اس سے خالی ہے کیونکہ تجارتی قرضہ طرفین کی رضامندی کے بعد وجود میں آتا ہے۔ کسی پر کوئی جبر نہیں ہوتا اور نہ کسی فریق کا نقصان ہوتا ہے اس لئے تجارتی سود کو حرام ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ تجارتی سود کی حیثیت اجارہ کی ہے جو اسلام میں جائز ہے جس طرح مختلف چیزیں اجارہ پر دی جاتی ہیں اور ایک معینہ رقم وصول کی جاتی ہے اسی طرح روپیہ بھی اجارہ پر دیا جا سکتا ہے، قرضہ دینے والا ایک معینہ وقت پر ایک معینہ رقم

(بقیہ ص ۱۲ پر)

جگر ...... چند یادیں

(تیرا ہی تو عالم ہے تری یاد کا عالم)

اسحاق جلیس ندوی

دن اور تاریخ تو اب یاد نہیں البتہ ماہ دسمبر ۱۹۴۹ء کی ایک خنک رات کو۔ چاند سلطانہ اینگلو اردو ہائی اسکول احمدنگر" کے ہم چند طلباء ایک مشاعرے میں شریک ہوئے مشاعرہ شروع ہونے سے پہلے صدر بزم نے "احمد نگر کالج" کے ایک خوش گلو نوجوان کا نام لیتے ہوئے اعلان کیا کہ یہ شہنشاہ تغزل حضرت جگر مرادآبادی کی ایک غزل سنائیں گے۔"

دلکش ترنم کے ساتھ جگر کی غزل شروع ہوئی فضا میں ایک کیف طاری تھا، ہر چیز ساکن اور مسحور تھی۔ پڑھنے والا آنکھیں بند کئے ترنم ریز تھا ؎

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے
یہ شاخ گل بھی ہے تلوار بھی ہے

جنوں کے دم سے ہے نظم دو عالم
جنوں برہم زن افکار بھی ہے

نفس پر ہے مدار زندگانی
نفس چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

یہی دنیا ہے بستی آنسوؤں کی
یہی دنیا تبسم زار بھی ہے

خبردار اے سبک ساران ساحل
یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے

جو کوئی سن سکے تو نکہت گل
شکست رنگ کی جھنکار بھی ہے

تیرہ چودہ سال کی عمر میں سنے ہوئے ان اشعار کا مفہوم تو کیا سمجھتا البتہ زندگی میں پہلی بار کانوں میں پڑے ہوئے جگر کے ان اشعار کو بے تکلف دوستوں کی مجلس میں اتنا گنگنایا گیا کہ وہ لوح ذہن پر آج تک مرتسم ہیں۔

۱۹۵۵ء میں ڈی۔ بی مسعود یونس (ریڈیو سنگر) سے ایک شادی کے موقعہ پر جگر کی دوسری غزل سنی۔ ساز کے آہنگ کے ساتھ مسعود کی دلکش نغمہ سنجی اور پھر جگر کے یہ اشعار ؎

جو جہنم میں بھی فردوس بداماں ہونگے
دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ ساماں ہونگے

نہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہونگے
جن پہ تیرے ستم خاص کے احساں ہونگے

جمع سب حسن کے کیا جلوۂ پریشاں ہونگے
ہم تو ہم بت بھی کسی روز مسلماں ہونگے

نغمۂ بربط غم کیف اثر شورش جاں
انھیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہونگے

لطف آزادیٔ زنداں ملا کیا کہئے
اب جو چھوٹے تو اسیر غم زنداں ہونگے

تجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ لے باد سحر
کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہونگے

شعلہ سامانیٔ غم پر نہ کر ناز جگر
تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہونگے

غزل ختم ہوئی سامعین کے اصرار پر مسعود صاحب اس غزل کو دوبارہ سنانے پر مجبور ہوئے مگر میری سیری اب بھی نہیں ہوئی تھی اور جی یہ چاہ رہا تھا کہ کاش پوری رات کلام جگر سنتے ہوئے گذر جائے۔

کاش یہ سلسلہ اتنا طویل ہو کہ زمان و مکان کی گردش اسی پر ختم ہو جائے ــــ غرضیکہ حکیم مشرق علامہ اقبال کے بعد شہنشاہ تغزل جگر مرادآبادی سے میری عقیدت کا سلسلہ عنفوان شباب ہی سے شروع ہو گیا۔

۱۹۵۵ء میں ندوہ میں داخلہ لینے کے بعد انجمن الاصلاح کے دارالکتب سے شعلۂ طور حاصل کی اور اسکے ہر شعر کو ذوق سے پڑھ کر لطف اندوز ہوتا رہا خوش قسمتی سے جگر صاحب کی زیارت بھی یہیں ہوئی۔ یہ بھی ایک دلچسپ اور تاریخی واقعہ ہے، غالباً ۱۹۵۶ء میں لکھنؤ ریڈیو کے ایک مشاعرہ کے سلسلہ میں جگر صاحب لکھنؤ تشریف لائے شبلی ہاسٹل کے ادبی ذوق کے حامل طلبہ اور خاص طور پر جگر کے پرستاروں کے لئے یہ خبر مژدہ جانفزا تھی۔ طلبائے ندوہ کی یونین انجمن کے عہدہ داروں نے طے کیا کہ جگر صاحب کو ندوہ آنے کی دعوت دی جائے مگر اس پروگرام کے عمل میں آنے کے امکانات بظاہر معدوم تھے۔ کیونکہ جگر صاحب کی جان لیوا بیماری کا سلسلہ شروع تھا اور ڈاکٹروں نے ان کو احتیاط کی سخت ہدایت کی تھی مگر ہمارے شوق نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا جگر صاحب کو مدعو کرنے کے لئے صدر الاصلاح مولانا ابوالعرفان صاحب سے اجازت کے لئے ہم حاضر ہوئے مگر چونکہ یہ دن سالانہ امتحانات کے دن تھے اس لئے موصوف نے عمومی جلسے کی تو اجازت نہیں دی البتہ مہمان خانہ میں ایک مخصوص نشست کے انعقاد کا مشورہ دیا اور صرف اونچے درجات کے چند طلبہ کو اس میں شرکت کی اجازت دی استاد گرامی مولانا محمد اویس صاحب ندوی نے صبح کی چائے کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور الاصلاح کا وفد خوش خوش جگر صاحب کو صبح ۸ بجے ندوے میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوا، اس موقع پر مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی نے جو پر لطف جملہ فرمایا تھا وہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ "دیکھو بھائی! جگر صاحب سے کہنا کہ ندوے میں آٹھ آٹھ ہی بجے بجتے ہیں، یہ نہ ہو کہ آپ لوگ انکو ۸ بجے مدعو کریں اور وہ دس بجے تشریف لائیں!" اس جملہ کا لطف وہی شخص لے سکتا ہے جس نے مولانا ابوالعرفان صاحب کو دیکھا ہو۔ اور ان کی گفتگو سنی ہو۔ اس جملہ کو ادا کرتے ہوئے ان کے لب و لہجہ کا اتار چڑھاؤ اور جسم کی حرکت آج تک یاد ہے۔

انجمن الاصلاح کا وفد جگر صاحب کی قیام گاہ پر پہنچا جب انھیں اطلاع ملی کہ ندوہ کے چند طلباء ملنا چاہتے ہیں۔ تو موصوف نے فوراً اذن باریابی دیا اور خندہ پیشانی سے طلبہ کی دعوت قبول کی ــــ دوسرے دن صبح صدیق حسن صاحب مرحوم اور حبیب احمد صدیقی کے ہمراہ جگر صاحب دارالعلوم تشریف لائے

جگر صاحب کا سراپا ان کے اس شعر کے مصداق تھا ؎

ہر طرف غل ہے وہ آیا جگر بادہ پرست
از سر تا بہ پا صہبائے سراپا بدمست

مخمور آنکھیں، پریشان زلفیں، ظاہری آرائش سے بے نیاز لباس اور چال ڈھال ایسی کہ گویا ؎

ہاتھ پڑتے ہیں کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے

گو کہ جگر کا یہ دور رندی نہ تھا مگر ماضی کے اثرات ایسے پختہ تھے کہ گویا ابھی ابھی میخانے سے چلے آ رہے ہوں۔

ناشتہ کے بعد شعر و سخن کی محفل کی ابتداء میں صدیق حسن صاحب مرحوم اور حبیب احمد صدیقی صاحب نے اپنا کلام سنایا اور پھر جگر صاحب نے اپنے پر سوز ترنم میں یہ غزل پڑھی۔

صد آرزوئے خوشگوار و سرگراں لئے ہوئے
پھرا کرے گی زندگی کہاں کہاں لئے ہوئے

ہوا نہ دل ہی ملتفت اگرچہ مدتوں کے بعد
شمیم دوست آئی تھی قرار جاں لئے ہوئے

خوشا حیات عاشقاں کہ موت جب بھی آئی ہے
تو ساتھ ایک حلقۂ پری وشاں لئے ہوئے

ترس رہی ہے زندگی برس رہی ہے زندگی
نفس نفس میں تشنگی کی داستاں لئے ہوئے

اب اس مقام عشق سے گذر رہا ہوں میں جگر
کہ ظلمتیں بھی ہیں جہاں تجلیاں لئے ہوئے

سماع مع مزامیر کے جواز و عدم جواز سے قطع نظر جی چاہ رہا تھا کہ کہہ دوں ؎

مطرب اس نے چھیڑ دی مجھے ساز دیا

یہ پر لطف اور یادگار مجلس دو ڈھائی گھنٹے تک جاری رہی واپسی سے پہلے جگر صاحب نے زیر تعمیر "رواق رحمانی" کا معائنہ کیا اور باصرار پچاس روپے اپنی طرف سے پیش کئے۔ جگر صاحب کی شرافت نفس، انسان دوستی اور اسلام پسندی کے بے شمار واقعات سنے تھے مگر دین اور طلبائے علوم دینیہ سے ان کی محبت کا عینی مشاہدہ کر کے ان کی عظمت دل میں کئی گنا بڑھ گئی۔

رات کو ریڈیو پر مشاعرہ تھا، شبلی ہوسٹل کے جلسہ ہال میں ریڈیو کے گرد مشاعرہ سننے والوں کی ایک بھیڑ جمع تھی جب جگر صاحب کی باری آئی تو قلم کا عذر پر تیزی سے چلنے لگے۔ اکثر طلبا

نے ان کے کلام کو نقل کیا۔

جگر صاحب دلسوزے مگر تھکے ہوئے لہجہ میں پڑھ رہے تھے۔

عمر میں بھی جس کو اک سرور نہیں ۔ زندگی کا اسے شعور نہیں
دل ہی وہ کیا جو ناصبور نہیں ۔ تو نہ شرما ترا قصور نہیں
مجھ کو شکوہ ہے چشم ساقی سے ۔ پی رہا ہوں مگر سرور نہیں
میں ہوں اور دشت غم کا سناٹا ۔ کوئی آواز دور دور نہیں
لالہ و گل بھی اجڑے اجڑے سے ۔ شب مہتاب میں بھی نور نہیں
زندگی ہے ترے فراق کا نام ۔ تو مگر زندگی سے دور نہیں
کل دکھائے گا کیا بہار کو منہ ۔ دل جو زخموں سے آج چور نہیں

سامعین کے اصرار پر انھوں نے دوسری غزل سنائی۔

لب ترستے ہیں التجا کے لئے ۔ ہاتھ اٹھتے نہیں دعا کے لئے
ہم نے تنہائیوں میں کیا کیا لطف ۔ ایک آواز بے صدا کے لئے
ہم نے ہر غم کو زندگی بخشی ۔ اپنی طبع غم آشنا کے لئے
پھول کو رنگ و رامش و نکہت ۔ اور آوارگی صبا کے لئے

لکھنؤ میں جگر صاحب کے زندگی کی یہ آخری ادبی نشست تھی۔ اس کے چند ہی دنوں بعد وہ اپنے ہزاروں مداحوں کو سوگوار چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

جگر کے ترنم میں ایسا سوز و گداز تھا کہ جو ان ہی پر ختم ہوگیا۔ یہ سوز و گداز انھیں غم عشق کی بدولت حاصل ہوا تھا۔ غم ان کی غذا بن چکا تھا۔ بلکہ انھیں کے الفاظ میں جس نے ان کی کائنات کا مقام حاصل کرلیا تھا

دل گیا رونق حیات گئی ۔ غم گیا ساری کائنات گئی
ہم نے ہر غم کو زندگی بخشی ۔ اپنی طبع غم آشنا کے لئے

پروفیسر آل احمد سرور نے خوب لکھا کہ "عشق کی آگ میں جلنے اور پگھلنے سے جگر کی آواز میں لے اور ان کی شخصیت میں گداز پیدا ہوگیا:

بعض سطح بیں جگر کی مقبولیت کو ان کے ترنم کا مرہون منت سمجھتے ہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر جگر پر کوئی الزام نہیں ہوسکتا۔

جگر صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ زندگی کے ہر دور میں مشرقی اور مذہبی اقدار (VALUES) کے وفادار رہے۔ وہ جب رند بادہ خوار تھے اس وقت بھی مذہب کے احترام کا دامن کسی لمحہ بھی ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ حتیٰ کہ ان کی مجلس میں بھی کسی کی جرأت نہیں تھی کہ وہ دینی معتقدات اور روحانی اقدار کو نشانۂ تضحیک بناتا۔ جگر صاحب کے خلوت و جلوت کے رازداں پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:۔

"جگر صاحب کا علی گڑھ اور الٰہ آباد کا وہ زمانہ یاد ہے جب وہ زیادہ تر مخمور اور بدحال رہتے تھے۔ لیکن دین یا ائمہ دین کے خلاف کوئی نقرہ کان میں پڑ جاتا تو بدمستی کا پورا زور اس پر صرف کردیتے جس کی زبان سے وہ فقرہ نکلا ہوتا ...... مذہب ان کی نہاد میں تھا جس کا مظاہرہ وہ کبھی کبھی اس طرح کرجاتے کہ بڑی نزاکت کا سامنا ہوجاتا۔"

جگر صاحب کی توبہ حقیقی معنوں میں "توبۃ النصوح" تھی۔ انھوں نے اپنے دور رندی کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کی شراب جو ان کی زندگی کا جزء بن چکی تھی اور جس کے متعلق خود کہتے ہیں۔

سب کو مارا جگر کے شعروں نے ۔ اور جگر کو شراب نے مارا

جب اسے یک لخت چھوڑ دیا تو صحت متاثر ہونے لگی۔ ڈاکٹروں نے کہا "اسے تبدیج ترک کریں ورنہ آپ کی جان کو خطرہ ہے" جواب میں فرمایا کہ "چاہے موت آجائے مگر میں اسے اب چھو نہیں سکتا"۔

ایک اور سبق آموز واقعہ سنئے جس کے راوی استاد گرامی مولانا محمد اویس صاحب ندوی ہیں۔

"اپنی طبیعت کی انتہائی ناسازی کے موقع پر جبکہ دل کے مسلسل دورے پڑ رہے تھے۔ جگر صاحب گونڈہ سے لکھنؤ غرض علاج لائے گئے۔ ان کا قیام صدیق حسن صاحب مرحوم کے بھائی کے مکان پر تھا۔ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے حتیٰ کہ حرکت اور طویل گفتگو تک سے منع کردیا تھا۔ ایک دن عصر بعد چند بے تکلف احباب جمع تھے۔ جگر صاحب نے چاہا کہ کچھ اشعار سنائیں مگر سب نے ان کی صحت کے خیال سے اسوقت انھیں سنانے سے منع کردیا تھوڑی دیر میں مغرب کی نماز کا وقت آیا حاضرین مجلس نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ جگر صاحب تیزی سے چارپائی سے اترے اور وضو کرکے جماعت میں شریک ہوگئے ___ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب ان سے کہا گیا کہ "ڈاکٹروں نے ہلنے جلنے سے منع کیا ہے آپ چارپائی ہی پر اشارے سے نماز پڑھ لیتے" تو جواب میں فرمایا کہ:۔

"بھائی مکافات عمل کررہا ہوں"

جگر صاحب شہرت و عزت کے جس مقام پر فائز تھے وہاں پہونچ کر اصلاح اعمال اور مکافات عمل کا یہ شدید احساس کتنے لوگوں میں پیدا ہوتا ہے؟ جگر صاحب اس معاملہ میں بلا مبالغہ اپنی مثال آپ تھے۔

علماء اور دین دار طبقہ کی محبت اور عظمت جگر صاحب کے دل میں رچی بسی تھی ان کے سفر حج کے موقع پر جب حجاز میں انھیں شاہی مہمان بننے کی پیشکش ہوئی تو اپنے رفیق سفر مولانا اویس صاحب ندوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اگر مولانا بھی شاہی مہمان ہونگے تو مجھے قبول ہے ورنہ نہیں"

مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے نام آئے ہوئے مشاہیر کے خطوط کے فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے جگر صاحب کے ایک خط پر نظر پڑی جسے پڑھ کر جگر صاحب کے رجوع الی اللہ، انابت اور احتساب نفس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے لکھتے ہیں۔

"حضرت المحترم! زاد اللہ کرمکم ___ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مجھ جیسے واقعتاً ننگ اسلام و ننگ خلائق پر آپ جیسے بزرگان ملت کی توجہات بے پایاں میرے لئے باعث فخر و ناز بھی ہیں اور باعث اذیت روحانی بھی، لیکن اس طرح کی اذیت روحانی جس پر بہت سی سچی مسرتیں بھی نثار کی جاسکتی ہیں...

.... مولانائے محترم! میں آپ حضرات کا جس حد تک عقیدت مند ہوں، ہر شخص اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ خود اپنے متعلق جو کچھ جانتا ہوں، معلوم نہیں وہ کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط، تاہم بزرگوں کے فیضان توجہ کی یہ دولت ہے کہ احتساب نفس سے غافل نہیں رہتا۔ لیکن محض احتساب نفس بھی ایک طرح کی بیماری ہے۔ تمام عمر بے عملی و بدعملی میں بسر ہوئی۔ اب ان سے ایک ربط خاص پیدا ہوچکا ہے اور قوائے عملی مضمحل و مفلوج۔ "روح و دل" روتے رہتے ہیں۔ "دین" کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ لیکن بے دینی کی جانب قدم مڑ جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر ایسا محسوس کرتا رہتا ہوں۔ جیسے میری تمام تر زندگی "دلدل" میں پھنس گئی ہے اور اب اس سے رہائی کی بظاہر کوئی توقع نہیں۔ اس عالم مایوسی میں بھی خدا جانے کیوں دل گواہی دیتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر مجھے برباد نہ ہونے دیگا۔ معلوم نہیں یہ حدیث نفس ہے یا حقیقتاً پیام غیب"!.........

خادم جگر

جگر کی شاعرانہ عظمت کے قائل اور خوشہ چیں ہزاروں ہیں مگر ان کی انسانی شرافت اور اسلامی اخلاق کے مقلد نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، آج کی دنیا کو "شاعر جگر" کی جتنی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ "جگر ایک شریف انسان" کی ضرورت ہے ___ جگر اپنی زندگی ہی میں "اس انسان" کے متلاشی تھے اور اس کی کم یابی پر مرثیہ خواں ؎

جہل خرد نے دن یہ دکھائے ؛ گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت ؛ روح اگر تسکین نہ پائے

جگر کے کلام کی خوبیوں اور اردو غزل کو تب و تاب بخشنے میں ان کی خدمات کا ذکر یہاں مقصود نہیں تھا۔

ان سطور کے محرک ذاتی تاثرات اور دلی جذبات ہیں یہ "حدیث دل" ہے۔ جگر کے فن پر کوئی تنقیدی مضمون اور تبصرہ نہیں

جگر آج ہم میں نہیں مگر ان کی یاد سے ہزاروں سینے معمور ہیں اور جب تک وقت کے ساز پر یادوں کی مضراب کا عمل جاری رہے گا اس وقت تک جگر پر آنسو بہانے والے اس دنیا میں موجود رہیں گے ؎

"مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ اسے"

بقیہ سلسلہ گزشتہ

خطبۂ استقبالیہ

کل ہند مسلم مشاورتی اجتماع منعقدہ ۸، ۹ اگست ۱۹۶۴ء لکھنؤ

از مولانا ابوالحسن علی ندوی

ہندوستان میں کوئی اس کو عقل و استدلال و منطق کی راہ سے اس صورت حال اور اس ذہنی کیفیت پر کتنا ہی ملامت کرے اور اس میں مبالغہ و غلو، توہم اور تخیلات کا کتنا ہی اہم عنصر ثابت کرے اور اس کو اپنی ذہانت کے زور اور دستور کے پرشکوہ حوالوں سے کتنا ہی مغلوب و لاجواب کردے اور ہندوستان کے تعمیری منصوبوں اور ترقیاتی اسکیموں میں گرم جوشی اور اعتماد کے ساتھ حصہ لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے واقعہ یہ ہے کہ جو ملت اپنی جان و مال کے بے قیمت و غیر محفوظ ہونے کا کرو مسلسل تجربہ کرتی رہی ہے اور جس کو بار بار یہ معلوم ہوچکا ہے کہ اس کی جان کی قیمت اتنی بھی نہیں جتنی اس ملک میں جانور، درخت، پتھر اور پانی کی ہے جو کسی نعرے، فرضی داستان، افواہ اور اخبار کی ایک سرخی پر قتل و غارت گری کا نشانہ بن سکتی ہے، پھر جس کو اپنی اس عجیب و غریب بدقسمتی کا علم ہوگیا ہے کہ اس کی قسمت کا فیصلہ اس کی کسی غلطی یا نادانی پر نہیں بلکہ ایک بیرونی ملک کے باشندوں کی کوتاہ نظری اور غلط اندیشی پر یا ان کی طرف منسوب کئے ہوئے کسی واقعہ پر ہوسکتا ہے اور چاہے یہ پوری قوم معصوم فرشتہ بن جائے اور اس کا ایک ایک متنفس ملک کا سچا وفادار اور جاں نثار ثابت ہو، پڑوسی ملک کی ایک حماقت اس کو آن کی آن میں تختۂ دار پر چڑھا سکتی ہے اور اس کو خون کے دریا میں نہلا سکتی ہے، پھر جب اس کو اپنی بدقسمتی اور بے قیمتی کا یہ تجربہ بھی ہوجائے کہ حکومت بھی بعض اوقات اسکی حفاظت سے قاصر رہتی ہے اور اس کی مشنری بھی بڑی دیر میں اس کے لئے حرکت میں آتی ہے، پھر اس کی بے وقعتی کا عالم یہ ہے کہ بڑے بڑے فساد پر بھی کوئی تحقیقاتی کمیٹی اور کوئی ٹربیونل مقرر نہیں کیا گیا اور نہ فساد کے کسی ذمہ دار کو پوری سزا ملی، کسی فساد زدہ علاقہ میں کوئی تعزیری جرمانہ عائد نہیں کیا گیا۔ پولیس کے نافرض شناس اور ملوث افسروں کو تنزلی و معطلی کے ذریعہ اپنی غلطی کا احساس نہیں کرایا گیا۔ بلکہ اگر ہمارے بعض دوستوں کی تحقیقات و اعداد و شمار کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ ایک افسوس ناک حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ایسے افسروں اور حکام کو ترقیاں دی گئیں، دوسری طرف اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرنے اور اس میں تعلیم کی سہولتیں دینے تعلیم کو سیکولر بنانے اور اس کے اندر سے جارحانہ عناصر کو خارج کرنے کا وہ معقول ترین مطالبہ جس کے پیچھے حقائق و دلائل کا ایک لشکر ہے اور جو ایک قلیل ترین اور حقیر ترین اقلیت کا بھی فطری اور شہری حق ہے ابھی تک علانیہ اور پورے طور پر پورا نہیں کیا گیا اور ریاستی حکومتوں نے رائے دہندوں یا فرقہ پرستوں کو راضی رکھنے کے لئے یا اپنی کمزوری کے احساس سے ابھی تک ان معاملات کو الجھا رکھا ہے اور بالکل غیر ضروری اور نامعقول طریقہ پر ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے لئے مستقل شکایت اور رنجیدگی کا سامان کر رکھا ہے ایسی حالت میں صرف ایک جامد مشین اور دھات کا کوئی پرزہ جو جذبات و ضمیر سے بالکل عاری ہے کسی کارخانہ میں پوری حرکت و قوت کے ساتھ رواں دواں ہوسکتا ہے لیکن کسی انسان کو ذہانت و استدلال اور جبر و طاقت سے متحرک تو بنایا جاسکتا ہے۔ فعال و گرم جوش، خوش دل، گرم دل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سبب کا نتیجہ یہ ہے کہ پانچ چھ کروڑ کی اس عظیم ملت کی توانائیاں جو ایک ملک کی قسمت بدلنے کے لئے کافی ہوسکتی ہیں اور پوری دنیا کے حالات پر اثر ڈال سکتی ہیں نہ اس ملت کے کام آرہی ہیں اور نہ پورے طور پر اس ملک کے بلکہ میں ایک قدم آگے بڑھا کر یہ عرض کروں گا کہ اس تنگ نظری فرقہ وارانہ تعصبات قدیم دور کی احیاء کی تحریک اور فسطائیت نے اس ملک کی قومی توانائیوں کو صحیح طور پر ابھرنے اپنا جوہر دکھانے اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کرکے اس ملک کو حقیقی ترقی دینے اور اس کو خوشحال و مستحکم بنانے کا عوام کے اخلاق کو درست کرنے ان میں صحیح شہری احساس ذمہ داری پیدا کرنے کا کام ہی شروع نہیں کیا۔ ملک کی بہترین طاقتیں ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہی ہیں اور سیاسی جوڑ توڑ میں لگی ہوئی ہیں، بداخلاقی کا ناسور روز بروز پھیلتا جارہا ہے، بددیانتی، ذخیرہ اندوزی، رشوت ستانی بڑھتی جارہی ہے اور ان میں سے کسی ایک محاذ پر بھی پورے جوش اور تنظیم کے ساتھ لڑائی نہیں لڑی جارہی ہے۔ ملک کا غذائی مسئلہ نہایت تشویشناک اور خطرناک شکل اختیار کرگیا ہے۔ ان تمام حقائق کا تقاضا ہے کہ ملک میں اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو، فسطائی رجحانات ختم کئے جائیں کسی اقلیت کی کوئی جائز شکایت باقی نہ رہے اس ملک کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شہری اپنی جان و مال و عزت و ناموس کو ایک منٹ کے لئے غیر محفوظ نہ سمجھے۔ کوئی بڑی سے بڑی تنظیم یا سیاسی پارٹی اس ملک کے امن و امان و نظم و نسق کو درہم برہم نہ کرسکے۔ حکومت اپنے ان اصول و مقاصد کی خاطر جو اس کے منشور میں داخل ہیں اور جو اس کے دستور کا اہم ترین حصہ ہیں بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہو اور اپنی پوری مشنری کو پورے خلوص عزم اور فیصلہ کے ساتھ ان کی حفاظت میں استعمال کرے اور فرقہ وارانہ فسادات تو ان کے نئے کیسے ہی قومی محرکات اور تقریبات پیدا ہوں جس قطعاً نہ ہونے پائیں ملازمتوں میں مسلمانوں کو ان کی تعداد و اہمیت کے مطابق حصہ دیا جائے اور اس ملک میں اپنی محنت و قابلیت کے مطابق ترقی کے آزادانہ مواقع حاصل ہوں، ان کی زبان، کلچر و مذہبی تعلیم اور پرسنل لاء اس طرح محفوظ ہو کہ ان کو ان کے عدم تحفظ کا کسی وقت احساس نہ پیدا ہونے پائے، ابتدائی تعلیم سے لیکر تعلیم کے آخری مرحلہ تک نیز پریس و اخبارات، تقریروں اور مجلسوں، ریڈیو اور تبلیغ و اشاعت کے سارے وسائل کے ذریعہ ملک میں اتحاد و اعتماد کی فضا پیدا کی جائے۔ پوری قوم کی ذہنیت اور فکر کو بدلنے اور درست کرنے کی منظم کوشش کی جائے اور اس ملک میں کوئی ایسا رخنہ باقی نہ رکھا جائے جس سے فرقہ پرستی جارحیت اور فسطائیت پھر نفوذ کرے۔

۱۹۴۷ء کے بعد مشترک و متفقہ قیادت کے فقدان مسلمانوں کے جماعتی انتشار نیز احساس کمتری نے اس کا موقع ہی نہیں دیا کہ مسلمان اپنے مقدمہ کو متفقہ طور پر مرتب اور پیش کریں۔ بلکہ ہماری بعض اخلاقی کمزوریوں اور بعض عناصر کی غرض مندی اور جاہ طلبی نے بعض اوقات یہ غلط تصور و تاثر دیا کہ مسلمان اس ملک میں ہر طرح سے مطمئن ہیں اور یہاں ان کے ساتھ کوئی زیادتی اور کوتاہی نہیں ہورہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ غلط اور خلاف واقعہ بات نہیں کہی جاسکتی یہ بات نہ صرف ضمیر اور ملی غیرت کے خلاف ہے بلکہ اس ملک کی مصلحت، خیر خواہی اور حقیقی وفاداری کے بھی خلاف ہے۔ ہر کسی ملک میں جس میں زندہ انسان بستے ہیں جو غلطی بھی کرتے ہیں جن پر جذبات بھی غالب آسکتے ہیں کبھی اپنی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرسکتے اور کبھی جمہوریت پنپ نہیں سکتی ہم صاف اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اس ملک میں مسلمان بہت سی حیثیتوں سے سخت غیر مطمئن ہیں، ان کی بہت سی جائز اور

معقول شکایات ہیں، وہ بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں لیکن نہ ہم خدا کی رحمت سے مایوس ہیں نہ اپنی زندگی کی صلاحیت واستحقاق سے نہ اکثریت میں حق شناس اور حق گو انسانوں کے وجود سے، ہم نے اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں جب آپ کے سامنے یہ الفاظ کہتا ہوں تو میرا ضمیر خود میرے دل میں چٹکی لیتا ہے اور کہتا ہے کہ رہنے کا فیصلہ کیا معنی ہم یہاں پیدا ہوئے اور یہاں ہیں، ہماری موجودگی قائم واستوار ہمالیہ اور رواں دواں گنگا سے زیادہ حقیقی اور پائیدار ہے۔ ہماری عمر اس تاج محل اور قطب مینار سے زیادہ بڑی ہے اور ہمارا حق اس سے زیادہ ثابت ہے جتنا ان قابل فخر یادگاروں کو جنکو ہماری صلاحیتوں نے وجود بخشا۔ ہم یہاں کے ہر مسئلہ کو حل کریں گے۔ ہم یہاں کی قومیت، یہاں کی ثقافت اور یہاں کے تمدن میں اس طرح پیوست ہیں کہ ہم کو جدا نہیں کیا جا سکتا، ہم حکومت سے ہزار بار شکایت کریں گے، ہم ہزار بار روٹھیں گے اور منیں گے، ہم ہر ہندوستانی کا گریبان پکڑ سکتے ہیں اور اسی طرح ہم دوسرے کو بھی یہ حق دیں گے کہ وہ ہمارا گریبان تھامے، اور ہم کو ہماری غلطی پر ٹوکے، لیکن بہر حال ہم کو اس ملک میں رہنا ہے اور تمام خصوصیات وتشخصات کے ساتھ رہنا ہے۔

ہم اس ملک کو تباہی، فرقہ واریت اور فسطائیت کے راستہ پر کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ ہم کو اس بات کا پورا یقین ہے اور سارے آثار وقرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ حالات زیادہ دیر نہیں رہیں گے، انسانیت حیوانیت پر، جمہوریت فسطائیت پر، عقل جذبات پر، علم جہالت پر اور تعاون باہم کا فطری جذبہ اور ملک کی سچی محبت کوتاہ نظری اور جذباتیت پر غالب آکر رہے گی۔

ہمیں جہاں اپنے مقدمہ کو حکومت اور اکثریت کے سامنے پوری جرأت وقوت کے ساتھ رکھنا چاہیے اور ہندوستان کے موجودہ حالات میں چند واضح اور معین تجاویز پیش کرنی چاہئیں جن کے لئے ہمیں خطبہ صدارت سے روشنی ملے گی، وہیں سارے ملک کا دورہ کر کے مسلمانوں میں اعتماد اور حوصلہ پیدا کرنا چاہیے۔ ان میں انسانیت دوستی، امن پسندی اور صلح وآشتی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے ان کو پھر اس پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ ہندوستان کی آبادی کو اسی محبت ومعرفت کا پیام سنائیں اور انسانیت کے درد میں گھلنے اور پگھلنے کی خو پیدا کریں جس کا نمونہ خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور اس سرزمین کے سیکڑوں اولیائے کرام نے پیش کیا۔ ان میں حالات کے مقابلہ کرنے کا عزم پیدا کریں اور اس ملک کو اپنا اور اپنے آباد اجداد کا ملک سمجھ کر اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ خدا نے ان کے لئے اس کا اور اس کے لئے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔ اس انتخاب اور فیصلہ کی صحت اور موزونیت کو دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی عقل وحکمت چیلنج نہیں کر سکتی، یہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے۔ اس کو صرف تقدیر الٰہی بدل سکتی ہے۔ اس ملک پر اپنی بہترین صلاحیتیں اور اپنا پورا اخلاص صرف کریں، اس کی خوشحالی اور اس کی ترقی کو اپنی ترقی سمجھیں، زندگی کے دھاروں سے الگ رہنے کے بجائے ان سے وابستہ ہو کر ان کی رہنمائی کریں۔ ہمارا یہ مشاورتی اجتماع بڑے وقت پر ہو رہا ہے اس میں اب ایک لمحہ کی تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔

اس مقصد کی تدابیر سوچنے اور تجاویز کرنے کے لئے ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس کی دعوت ایک ایسی شخصیت (ڈاکٹر سید محمود) نے دی اور پھر اس کی صدارت قبول کی جس کے خلوص، وسیع تجربہ، قابل اعتماد تاریخ اور اس کے باہمہ وبے ہمہ ہونے پر ہم سب کو اعتماد ہے اور جو ہماری آزادی کی جدوجہد کے قافلے کا ایک پچھڑا ہوا مسافر ہے جس کی نظر ماضی پر بھی ہے اور جس کا ربط حال سے بھی قائم ہے۔ خدا اس تاریخی اجتماع کو ہر طرح مبارک اور نتیجہ خیز بنائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی وہ توقعات پوری ہوں جو انھوں نے اس اجتماع کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔ ہم صحیح نتائج پر پہونچیں اور ایک صحیح جدوجہد اور کوشش کا آغاز کر سکیں۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب ٥

*

کمیونسٹ منطق

وحیدالدین خاں

ایک سیاح نے امریکہ کی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری سے اپنی گفتگو کی روداد شائع کی ہے۔ اس کا ایک حصہ نہایت دلچسپ ہے:

سیاح: "امریکہ والوں کو کمیونزم بہت خوفناک چیز معلوم ہوتی ہے"

سکریٹری: "ہونا ہی چاہیئے۔ امریکہ ایک سرمایہ دار ملک ہے اور کمیونزم سرمایہ داروں کی سخت دشمن"

سیاح: "جہاں تک مجھے احساس ہے وہ یہ کہ جنکو بہت زیادہ خوف ہے وہ ہیں چھوٹے اور غریب امریکی"

سکریٹری: "ہاں! وہ سرمایہ دارانہ تعلیم کے زیر اثر ہیں"

سیاح: "وہ ڈرتے ہیں کہ کمیونزم سے ان کی آزادی تحریر وتقریر چلی جائے گی"

سکریٹری: "یہ ان کو سمجھایا گیا ہے۔"

سیاح: "کیا روس میں آزادی تحریر وتقریر ہے"

سکریٹری: آزادی تحریر وتقریر بجائے خود کوئی مقصد نہیں وہ ایک ذریعہ ہے کمیونزم کی طرف جانے کا یہاں کمیونزم نہیں ہے، اس لئے اس کی ضرورت ہے۔ اور وہاں کمیونزم ہے اس لئے اس کی ضرورت نہیں۔"

کس قدر دلچسپ ہے یہ کمیونسٹ منطق۔ ایک چیز جو دنیا کے دوسرے حصوں کے لئے بُری ہے۔ وہی اشتراکی ملک میں جاکر اچھی بن جاتی ہے۔ روس میں تحریر وتقریر کی آزادی کا ختم کیا جانا خود یہ معنی رکھتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پورے ملک میں تحریر وتقریر کے ذریعہ خیالات کے آزادانہ اظہار کو ختم کر سکیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہاں ایک زبردست قسم کی طبقہ واریت قائم ہے ایک وہ طبقہ جو حکم دینے اور کنٹرول کرنے کی حیثیت میں ہے اور دوسرا وہ طبقہ جو محکوم ہے۔ جو اتنا ہی کر سکتا ہے جتنا اس کے خداوندان کرنے کی اجازت دیں۔

یہی وہ طبقہ واریت ہے جسکو کمیونسٹ حضرات جمہوری ملکوں کی سب سے بڑی خرابی بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان ملکوں میں تھوڑے سے سرمایہ دار ملک کے تمام ذرائع ووسائل پر قابض ہو گئے ہیں۔ وہی لوگوں کے ذہن اور ان کی زندگی کو بناتے بگاڑتے ہیں۔ ان کو ایک ایسی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے ٹھیک یہی صورت حال خود اشتراکی ملک میں ہے۔ پھر دونوں میں فرق کیا ہوا۔

شاید کمیونسٹ حضرات کا یہ خیال ہے کہ کوئی چیز بذات خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی۔ ایک ہی چیز اگر روس میں ہو تو وہ اچھی ہے اور اگر امریکہ میں ہو تو بُری روس میں آزادی نہیں ہے، اس لئے وہ اچھا ملک ہے امریکہ میں آزادی ہے اس لئے وہ بُرا ملک ہے

بقیہ مجدد الف ثانیؒ

کرنے کی ضرورت ہوگی خواہ مخواہ تو پیش نہیں کی گئی ہوں گی۔ اگر ایسا ہے (اللہ ہے کبھی ایسا)، تو پھر فاضل محترم کا یہ دعویٰ کہ "جہانگیر نے تخت نشیں ہوتے ہی اکبری بدعات (لیکن سرخی تھی "اکبری الحاد") کا خاتمہ کر دیا (ص ۲۳۰) کہاں تک درست ہے"

تاجروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

حبیب الرحمن ندوی

تجارت ایک باعزت ذریعہ معاش ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ہے اور تجارت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، آپ کا ارشاد ہے،

التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء (ترمذی ابن ماجہ)

سچے اور امانت دار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس منڈیوں میں تشریف لے جاتے تو تاجروں کو خطاب بھی فرماتے۔ حضرت رفاعہؓ بیان کرتے ہیں،

خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المصلى فرئى الناس يتبايعون فقال يا معشر التجار فاستجابوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ورفعوا اعناقهم وابصارهم اليه۔ فقال ان التجار يبعثون يوم القيامة فجارا الا من اتقى الله وبر وصدق (ترمذی وابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم عیدگاہ کے لئے چلے لوگوں کو خرید وفروخت میں مشغول دیکھ کر راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور باآواز بلند آپؐ نے فرمایا، تاجرو! چنانچہ لوگ اپنے کام چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے حال یہ تھا کہ لوگوں کی گردنیں اٹھی ہوئی تھیں اور آنکھیں آپ کے چہرے پر مرکوز تھیں، آپ نے فرمایا تاجر قیامت کے دن فاسق وفاجر ہی ہونگے بجز انکے جو اللہ سے ڈرتے رہے، پاکیزگی اور خوش معاملگی کو اپنا شعار بنایا اور گاہکوں سے سچی بات بتائی۔

حضرت واثلہؓ بن اسقع سے مروی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الينا وكنا تجارا وكان يقول يا معشر التجار اياكم والكذب (منذر ترغیب وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم تاجروں کے پاس تشریف لے آتے اور فرماتے۔ تاجرو خبردار جھوٹ نہ بولنا۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان فرماتے ہیں کہ،

خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر امر الربوا وعظم شانه وقال ان الدرهم يصيبه الرجل من الربوا اعظم عند الله في الخطيئة من ست وثلاثين زنية يزنيها الرجل وان اربى الربوا عرض الرجل المسلم (ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں سود کا ذکر کیا اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا اور فرمایا کہ سود کا ایک درہم حاصل کرنا چھتیس مرتبہ کی زناکاری سے بڑھ کر ہے اور فرمایا سب سے بڑا سود خوار وہ ہے جو کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرے

حضرت قیسؓ بن ابی غرزہ سے مروی ہے:

خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نسمى السماسرة۔ فقال يا معشر التجار ان الشيطان والاثم يحضران البيع فشوبوا بيعكم بالصدقة (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لائے۔ ہم لوگ (تاجر) اس وقت سماسرہ کہلاتے تھے۔ آپ نے فرمایا تاجرو۔ شیطان اور گناہ تجارت کی جگہ حاضر ہوتے رہتے ہیں پس اپنی تجارت کو صدقہ اور خیرات سے خلط ملط کرتے رہو،

نسائی۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ میں یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے،

كنا نسمى في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم السماسرة فمر بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمانا باسم هو احسن منه فقال يا معشر التجار ان البيع يحضره الحلف واللغو فشوبوه بالصدقة

ہم تاجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک سماسرہ کہلاتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے پاس آئے تو آپ نے ہمیں ایسے نام سے یاد کیا جو سماسرہ نام سے بہت اچھا تھا۔ آپ نے فرمایا معزز تاجرو۔ خرید وفروخت میں قسم اور لغو باتیں اکثر ہوتی رہتی ہیں اس لئے تم کو چاہیے کہ صدقہ سے اسے خلط ملط کرتے رہو۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاصحاب الكيل والميزان انكم قد وليتم امرين هلكت فيه الامم السابقة قبلكم (ترمذی)

ناپ تول کرنے والوں (یعنی تاجروں) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو تمہیں وہ کام سونپا گیا ہے جس میں کمی کرنے والے تم سے اگلے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المسلم اخو المسلم ولا يحل لمسلم باع من اخيه بيعا فيه عيب الا بينه له (ابن ماجہ)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا۔۔۔ کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی ایسی چیز فروخت کرے جس میں عیب ہو مگر یہ کہ اسکو ظاہر کرے۔

نسائی کی روایت میں ہے۔

قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا تبيعوا الثمر حتى يبدو صلاحه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کہ درخت کے پھلوں کی خرید وفروخت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کی حیثیت معلوم نہ ہو جائے۔

عرب میں اس وقت غلاموں کو آزاد کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ غلام کے لئے کچھ رقم متعین کر دیجاتی کہ اتنی رقم دینے کے بعد تم آزاد ہو چنانچہ غلام صدقہ وخیرات لیکر یہ رقم اکٹھا کرتا اور مالک کو دیتا مگر اس کے بعد بھی یہ شرط لگا دی جاتی کہ حق ولاء یعنی آزاد کرنے کا احسان اور اجر مالک ہی کو ہوگا وہ شخص کسی اجر کا مستحق نہیں ہو سکتا جس نے غلام کو آزاد کرنے کے لئے کوئی رقم دی ہے۔

ظاہر ہے اگر یہ صورت باقی رہتی تو کوئی غلام آزاد نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ رقم جو غلاموں کے مالک کو ملتی آخر کہاں سے آتی۔ کون بلا اجر وثواب کے کوئی رقم دینے کے لئے تیار ہوتا چنانچہ اسی طرح کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

ما بال رجال يشترطون شروطا ليس في كتاب الله ما كان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط قضاء الله احق وشرط الله اوثق وانما الولاء لمن اعتق (بخاری)

لوگ ایسی شرطیں کیوں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں، یاد رکھو جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے چاہے وہ سو شرط کیوں نہ ہو اللہ کی قضا زیادہ حق دار ہے اور اس کی شرط زیادہ مضبوط ہے غلام آزاد کرنے کی نسبت اسکا اجر اسی کو ملیگا جو غلام آزاد کرے یا کرائے

(باقی)

تری نظر ہی ابھی منتظر قیامت کی

حبیب اللہ پالن پوری

یہ کیا زمانۂ حاضر کی کم عنایت ہے
کہ ملک ملک میں ہنگامۂ سیاست ہے

وہ قدس زار فلسطیں بھی ایک آفت ہے
بہار زادۂ کشمیر بھی قیامت ہے

وہی ہے حیلۂ پرویز و حملۂ چنگیز
نیا ہے بھیس حقیقت وہی قدامت ہے

جو رہزنی بھی ہو بے پردہ وہ ہے قزاقی
اگر ہو پردۂ تہذیب میں شرافت ہے

جو ایک فرد کو لوٹیں تو یہ تجارت ہے
جو قوم و ملک کو لوٹیں تو یہ سیاست ہے

بلند بام مناصب بھی اک بضاعت ہے
خریدتے ہیں وزارت عجب تجارت ہے

ہے مختصر بہت افسانۂ عروج و زوال
خزاں کو عیش بہاراں سے بھی بغاوت ہے

یہ آدمی ہے کہ افرنگ کی مشینیں ہیں
کشادِ قلب و نظر سے جنھیں علاوت ہے

یہ بانگہائے مسلسل یہ شور ہائے فزوں
خدا کا شکر گریباں ابھی سلامت ہے

اگر صدف میں ہو لفاظیاں تو گوہر ہے
دلوں میں معنیٔ روشن گہر ظلامت ہے

اگر غریب ہو عریاں تو یہ فلاکت ہے
برہنہ عصر مہذب ہو یہ شرافت ہے

اگر عوام کا ڈر ہو تو یہ سیاست ہے
دلوں میں خوف خدا ہو یہی قدامت ہے

کہاں کی حلت و حرمت کہاں کی تعزیریں
گناہ عصر مہذب میں اک عبادت ہے

یہ غم، یہ رنج، یہ آشوب یہ جرس یہ فغاں
سکون دہر کو اس دور سے شکایت ہے

وہی نظارۂ محشر وہی ندامت ہے
وہی ہلاکت دوزخ وہی شقاوت ہے

تری نظر ہے ابھی منتظر قیامت کی
مری نظر میں یہی عصر خود قیامت ہے

انتظار

اثر انصاری

فسادِ ذہن و نظر کا کوئی علاج نہیں
مذاق شعلہ و شبنم میں امتزاج نہیں
محبتوں کا کہیں دور تک رواج نہیں
جنونِ عشق کا برہم ابھی مزاج نہیں
رہِ حیات میں تاریکیوں کا ڈیرا ہے
چراغ راہ جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

خیال و فکر میں اک بے حسی کا عالم ہے
نہ اضطراب تمنا نہ کاوش غم ہے
رخِ حیات فسردہ ہے آنکھ پُرنم ہے
خمار تشنہ لبی ہے مگر بہت کم ہے
ہلاکِ زہر تمدن ہے زندگی کا وقار
خود آگہی کا تصور ہے خودسری کے نثار

جنوں کو لذت درماندگی نہیں ملتی
نظر کو فرصت آوارگی نہیں ملتی
نشاطِ جلوۂ آسودگی نہیں ملتی
بقدرِ وسعتِ دل سرخوشی نہیں ملتی
فضا میں تیرہ شبی کا غرور باقی ہے
کدورتوں کا دلوں میں فتور باقی ہے

خزاں کا رقص ابھی تک ہے مرغزاروں میں
تباہیوں کے شرارے بھی ہیں بہاروں میں
سکوتِ یاس کا عالم ہے دل فگاروں میں
حریفِ صدق و صفا ہیں وفا شعاروں میں
عجیب مرحلۂ غم ہے آدمی کے لئے
ترس رہا ہے محبت کی زندگی کے لئے

اُداس اُداس ہے بزم تصورات ابھی
لٹا لٹا سا ہے کاشانۂ حیات ابھی
مچل رہے ہیں نگاہوں میں حادثات ابھی
الجھ رہے ہیں یقیں سے توہمات ابھی
یہ دیکھنا ہے کہ کب آدمی سنورتا ہے
کہاں یہ قافلۂ زندگی ٹھہرتا ہے

چو مرگ آید
تبسّم برلب اوست

تسنیم الحسن ندوی

حضرت سفیان ثوریؒ اپنی موت کا شدت سے انتظار کر رہے تھے، اسی لئے جب کبھی ان کا کوئی شاگرد کہیں باہر جاتا تو وہ اس سے فرماتے کہ "اگر کہیں موت مل جائے تو اس کو میرے لئے خرید لینا" لیکن جب فرشتۂ اجل ان کے پاس آیا اور انھوں نے اپنی موت کو قریب سے دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا کہ میں تو موت کی تمنا کیا کرتا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ موت کا معاملہ بہت ہی سخت ہے اور اللہ کی حضور میں حاضر ہونا بہت مشکل کام ہے۔

مرض وفات میں جب کبھی ان کے سامنے موت کا تذکرہ ہوتا تو خوف سے بُرا حال ہو جاتا، اور فرماتے کہ "مرنے سے قبل موت کی تیاری کرو" ان کے مرض وفات میں ہی ان سے لوگوں نے کہا کہ اب آپ جنت میں جانے والے ہیں اس لئے خوشیاں منائیے، فرمایا کیا واقعی مجھے جنت ملے گی یا میرے بدلے کسی دوسرے کو دی جائے گی۔

راوی کا بیان ہے کہ سفیان ثوریؒ بصرہ میں مرض وفات میں مبتلا ہوئے، امیر بصرہ نے ان کی عیادت کرنی چاہی، لیکن درد شکم اور اسہال کی وجہ سے سفیان ثوری نے اس کو عیادت کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ وہ نوافل پڑھنے سے باز ہی نہ آتے تھے۔ اسہال کی وجہ سے ان کو ایک شب میں تقریباً ۶۰ مرتبہ وضو کرنا پڑا اور مریدین کو بالآخر یہ کہنا پڑا کہ اب آپ وضو نہ کریں لیکن ان کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب عزرائیل میرے پاس آئیں تو با وضو ہوں تاکہ اپنے رب کے پاس پاک و صاف جاؤں، ناپاک و نجس نہ رہوں۔

عبداللہ مہدی کا بیان ہے کہ "جب سفیان ثوریؒ کا وقت وفات قریب آیا تو فرمایا کہ میرا چہرہ زمین پر رکھ دو کیونکہ اب موت قریب ہے۔ میں نے ان کا چہرہ زمین پر رکھ دیا اور اس ارادے سے باہر نکلا تاکہ انتقال کی خبر سے اعلان شہر میں کرا دوں لیکن دروازہ کھولتے ہی میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے اپنے سامنے عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پایا، میں نے اپنے اس تعجب کو دور کرنے کے لئے یہ سوال کیا کہ آخر تم کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی ان میں سے چند نے بیک آواز کہنا شروع کیا کہ "ہم نے آج خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ سفیان ثوریؒ کے جنازہ میں حاضر ہو"

اس گفتگو کے بعد تمام لوگ عبداللہ مہدی کی معیت میں اس کمرہ میں گئے جس میں سفیان ثوریؒ نزع کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ان کو دیکھتے ہی سفیانؒ ثوری نے تکیہ کے نیچے ہاتھ ڈالا اور ایک تھیلی نکال کر مجھ کو دی اور فرمایا کہ اس میں ایک ہزار دینار ہیں اس کو غربا اور مساکین میں تقسیم کر دینا۔ پھر لوگوں کے چہرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے آپ لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ میں نے یہ مال صرف اس لئے جمع رکھا تاکہ میں اس کے ذریعہ سے اپنے دین کی حفاظت کروں کیونکہ جب بھی شیطان مرے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا کہ آج کیا کھاؤ پیو گے تو میں کہتا کہ یہ کیا مال موجود ہے، یا وہ مجھ سے کہتا کہ مرنے کے بعد کفن وغیرہ کا انتظام کیسے ہوگا تو میں اس مال کی طرف اشارہ کرتا، غرض کہ وہ جس قسم کے بھی وساوس میں مجھے مبتلا کرتا، میں ان کو اس طرح دور کرتا، اب مجھے اس کی حاجت نہیں ہے اس لئے اس کو غربا کے درمیان تقسیم کر دو، اس کے بعد بہت دیر تک کلمہ شہادت پڑھتے رہے، اسی اثنا میں ایک ہچکی آئی اور روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔

اس ایک ہزار روپیہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ سفیان ثوریؒ کے ایک عزیز قریب بخارا میں رہتے تھے، ان کا جب انتقال ہوا تو ان کے وارثوں میں صرف یہی بچے۔ اس لئے علماء بخارا نے ان کا تمام مال و اسباب حفاظت سے رکھ لیا اور سفیان ثوریؒ سے برابر تقاضا کرتے رہے کہ وہ آکر اپنا مال لے جائیں، کچھ دنوں کے بعد جب انھیں فرصت ملی تو وہ بخارا تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا شایان شان استقبال ہوا۔ وہاں وہ کچھ دن رہے۔ اس وقت سفیان ثوریؒ کی عمر ۸۰ سال کی تھی، جب وہ واپس چلنے لگے تو انھیں ایک ہزار دینار کی ایک تھیلی پیش کی گئی جس کو انھوں نے مرض وفات تک ایک مقصد عظیم کے تحت حفاظت سے رکھا۔

جس دن سفیان ثوریؒ کا انتقال ہوا اسی دن ایک آواز سنی گئی جو کہہ رہی تھی مات الورع، مات الورع۔ اسی دن ایک شخص نے سفیان ثوریؒ کو خواب میں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ قبر کی وحشت سے گھبرائے نہیں فرمایا، میں تو یہاں بہشت کے باغات میں ٹہل رہا ہوں۔

ایک اور شخص نے اسی رات خواب میں دیکھا، اور ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا۔ میں نے ایک قدم پل صراط پر رکھا اور دوسرا جنت میں تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۰، ۱۴۱

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا اور ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا کہ جیسے ہی میں قبر میں رکھا گیا، ویسے ہی میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پایا، جہاں مجھ سے معمولی محاسبہ کیا گیا، اور پھر مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اور میں وہاں باغات میں ٹہلنے لگا اور اب تک ٹہل رہا ہوں۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۸۷)

محمد بن واسعؒ جب مرض وفات میں مبتلا تھے تو انکے پاس ہر وقت لوگ جمع رہتے۔ ابو عامرؒ فرماتے ہیں کہ میرے ایک دوست بھی عیادت کے لئے گئے۔ ان کو دیکھ کر محمد بن واسع نے فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت میرے کس کام آئیں گے جب میری پیشانی اور میرا پیر پکڑ کر مجھے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی (یعرف المجرمون بسیماھم فیوخذ بالنواصی والاقدام)
(مجرمین اپنی علامتوں سے پہچان لئے جائیں گے اور ان کی پیشانیاں اور پیر پکڑے جائیں گے) اور اس کے بعد معبود حقیقی سے جا ملے"

صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۹۴

تعمیر حیات لکھنؤ
میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

براہ کرم خط کتابت کے وقت خریداری نمبر ضرور حوالہ دیں

بقیہ تجارتی سُود اور اِسلام

بطور اجارہ اس سے لے سکتا ہے، کسی نے تجارتی سود کو بیع سلم پر قیاس کیا ہے، کسی نے فقہ کے اس جزیہ کو اپنا مستدل بنالیا کہ تجارتی قرضہ میں جو رقم لگائی گئی ہے اس کی حیثیت نقد اور اُدھار کی ہے جس طرح ثمن آجل میں ثمن عاجل پر زیادتی جائز ہے۔ اسی طرح تجارتی سود کا معاملہ ہے، کسی نے ڈھونڈھ کر وہ ایک اثر پیش کئے جس کی روشنی میں تجارتی سود کے لئے گنجائش پیدا کی گئی جو لوگ حکیمانہ دماغ رکھتے تھے انھوں نے فرمایا کہ سود پر اتنی سخت وعید یہ بتاتی ہے کہ یہ حکم صرف حاجتمندانہ اور صرفی قرضہ کے لئے ہے کیونکہ یہ انتہائی ظالمانہ طریقہ ہے جو اس وعید کا سزاوار ہے لیکن تجارتی قرضہ باہمی رضامندی کا سودا ہے اس سے دونوں فریق کا مفاد وابستہ ہے اس لئے اس وعید کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اصول روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر معمولی کاموں پر کسی بڑے انعام کا وعدہ کسی سخت وعید کا اظہار کیا گیا ہے تو وہ حدیث مخدوش ہے اس نقطہ نگاہ سے مہاجنی قرضہ پر تو وعید کا اطلاق بالکل موزوں ہے لیکن تجارتی سود اس سے بالکل علیحدہ چیز ہے اس کا اطلاق اس پر کسی طرح نہیں ہو سکتا،

میں نے مختصر طور پر ان دلائل کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے جنھیں عام طور پر تجارتی سود کے حامی پیش کرتے ہیں، ان تمام دلائل میں قدر مشترک کے طور پر یہ کمزوری پائی جاتی ہے کہ ان دلائل کا محدثانہ اور فقیہانہ نکتہ رسی کے ساتھ جائزہ نہیں لیا گیا ہے، جہاں تھوڑی سی بھی گنجائش بادی النظر میں معلوم ہوئی اسے دلیل بنا لیا گیا جن واقعات سے استدلال کیا گیا ہے ان کا پس منظر اور واقعہ کی اصل نوعیت جاننے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اصول حدیث کی حیثیت سے دو متضاد حکموں کی توجیہ پر دھیان دیا گیا، فقہ کے جس جزیہ کو مستدل بنایا گیا اس کی روح اور منشاء کو نہیں سمجھا گیا حالانکہ اس کا ظاہری مطلب تسلیم کر لینے سے خود تضاد بیان پیدا ہو جاتا ہے، غرضیکہ اب تک کوئی ٹھوس اور مضبوط دلیل سامنے نہیں آسکی ہے جس پر غور و فکر کرنے کے لئے مجبور ہو جا سکے، تجارتی سود کے جواز پر گفتگو کرنے اور اس مسئلہ کی پیچیدگی کو سلجھانے کے لئے اس کے سرے کو پکڑنا چاہئیے اور گفتگو کا آغاز دہیں سے ہونا چاہئیے، قرآن میں ربوٰا کو ناجائز بتانے کے لئے حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو شریعت اسلامی کی اصطلاح میں کسی فعل سے ممانعت کے لئے ایک دائمی غیر مبہم اور نہایت سخت لفظ ہے جس میں کوئی احتمال نہیں ہے اور پھر اس لفظ کا استعمال اس موقعہ پر کیا گیا ہے جب مخالفین اسلام سود اور تجارت کو ایک قرار دے رہے تھے، ان دونوں فعلوں کا حکم ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ احل اللّٰہ البیع وحرم الربوٰا یعنی تجارت اور سود ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ایک قطعی حلال ہے اور ایک قطعی حرام قرآن پاک کے اس لب ولہجہ کے لحاظ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ربوٰا کی ایک صورت کے بارے میں، فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ ارشاد فرمایا اپنی سخت ناگواری اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے جس کے فعل کے بارے میں قرآن و حدیث کا یہ انداز بیان ہو تو ایسے موقعہ پر ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری احتیاط کے ساتھ اپنا دائرہ عمل وہیں تک محدود کریں جو عملی باتوں پر حضور پاک سے ثابت ہے کیونکہ ہم نے ذرا بھی بے جا جرات کی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا رہوار فکر ہمیں ایسی دلدل میں پھنسا دے جہاں تک بڑھنے سے ہمیں سختی کے ساتھ روکا گیا۔ میں آج اسی اصولی بات پر اپنا سلسلہ کلام ختم کرتا ہوں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ مذکورہ بالا دلائل کی کمزوریوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال سکوں گا۔

بقیہ حضرت خواجہ سید احمد نصیرآبادی

بچپن میں والدین کے ساتھ ناگور (نبدیل کھنڈ) گئے جہاں آپ کے والد ماجد تحصیلدار اور قاضی تھے وہیں آپ نے اپنے والد مرحوم اور مولوی علی بخش جائسی، مولوی سید محمد نصیرآبادی (والد مولانا سید محمد امین نصیرآبادی) سے مختصرات اور طب کی بعض کتابیں حکیم احمد جان دہلوی سے پڑھیں، والد کی وفات کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور کچھ مدت تک اپنے نانا حضرت مولانا سید محمد امین سے تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر ۱۲۸۳ھ میں لکھنو گئے، اور مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے شرح وقایہ، مشکوٰۃ اور تفسیر جلالین پڑھی، طب کی اعلیٰ کتابیں حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب لکھنوی سے ختم کیں اور تین سال ان کی خدمت میں رہے۔ مطب میں شرکت کی، شعر و سخن کا فطری ذوق تھا۔ فارسی کلام سید محمد اصفہانی حریف کو دکھایا اور اردو کی اصلاح منشی امیر اللہ تسلیم سے لی اور ان سے خطاطی کا فن بھی سیکھا۔

لکھنؤ سے واپس آکر حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی کا دامن پکڑا جو آپ کے والد کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور آپ کے پھوپھا تھے، آپ کی خدمت میں ٹھہر کر سلوک کی تعلیم حاصل کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مولانا نے آپ کو اپنی تمام مرویات و مسموعات و مقروءات کی اجازت دی جو آپ کو مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا محمد یعقوب دہلوی اور مولانا سید محمد نصیرآبادی اور دوسرے مشائخ سے حاصل تھی۔

پھر آپ حصول معاش کے لئے اودے پور، حیدرآباد، بھوپال، ٹونک وغیرہ گئے۔ آخر عمر میں وطن میں گوشہ گیر ہو گئے۔ اور زہد و قناعت اور گمنامی کی زندگی اختیار کی اور تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر عمر گذار دی۔

آپ فارسی کے صاحب قدرت نثار اور ادیب اور اردو فارسی، بھاشا کے قادر الکلام شاعر تھے، تصنیفات کے لحاظ سے آپ کا شمار اپنے زمانہ کے بہت بڑے مصنفین میں ہونا چاہئیے۔ نثر و نظم کا ایک بہت بڑا کتب خانہ اپنی یادگار چھوڑا جو تقریباً کل غیر مطبوعہ ہے، آپ کی سب سے عجیب وغریب تصنیف مہر جہاں تاب ہے جس کا تو الاس مضمون میں جا بجا آیا ہے، یہ فارسی کا مکمل دائرۃ المعارف، دانسائکلوپیڈیا، ہے جس میں تمام علوم و فنون، علماء، شعراء، مشائخ و صوفیہ اور ماہرین علم و فن کا تذکرہ اور تمام ضروری معلومات اور تاریخ کا ذخیرہ ہے۔ پہلی جلد فل سکیپ سائز کے تیرہ سو صفحوں میں تمام ہوئی ہے، پوری کتاب مصنف کے خیر میں دیکساں خط میں لکھی ہوئی ہے۔ اردو فارسی اور ہندی کے متعدد دیوان نظموں کے مجموعے اور تاریخ دانساب اور تذکرہ پر متعدد تصنیفیں ہیں، جو اگر متعدد اشخاص پر تقسیم کر دی جائیں تو ہر ایک کو مصنف بنا سکتی ہیں۔

ان علمی کمالات کے ساتھ جن کو زندگی میں بھی کم لوگوں نے جانا، باطنی کمالات سے بھی مالا مال تھے، اور وہ ان علمی کمالات سے زیادہ مستور و مخفی رہے، حضرت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خصوصیت و توجہ سے ان کی باطنی تربیت کی تھی، مہر جہان تاب میں لکھتے ہیں کہ بعض اوقات میری طبیعت کچھ خراب ہوتی اور مجھے ضعف و تعب ہوتا تو میری تکلیف کا بغیر میرے اظہار کئے ہوئے اپنے وجدان و فراست سے ادراک فرما لیتے اور فرماتے کہ آج میرے سر میں درد ہے آج حلقہ نہیں ہوگا۔ رمضان کے عشرۂ اخیر میں حلقہ، مراقبہ تہجد کی نماز کے بعد ہوتا تھا ایک رات آپ نماز کے بعد کچھ دیر آرام فرمانے لگے، خواجہ محمد نبش اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کے خلیفۂ اعظم اور سر حلقہ تھے فرمایا کہ جس کا جی چاہے حضرت سے اجازت لے کر آجائے حلقہ ہوتا ہے چنانچہ سب رفقاء آپ کے حلقہ میں آکر شریک ہو گئے میں بھی شریک ہوا لیکن مجھے قلق تھا کہ میں تو دامن خاص سے وابستہ ہوں، آج یہ بے التفاتی کیوں فرمائی گئی میں حلقہ میں شریک رہا لیکن فکر و تردد سے مجھے خاطر خواہ فائدہ اور انشراح قلب حاصل نہ ہوا، حلقہ کے اختتام کے بعد